معارج روحانی

حیات حضرت شیخ سلیم چشتی رح
و
حالات فتحپور سیکری - آگرہ

مرتبہ

سراج احمد عثمانی چشتی - کراچی

طبع اول ایکہزار   قیمت ۲-۵۰

مطبوعہ عباسی لیتھو آرٹ پریس کراچی - ۲

۱۹۶۳ء

فہرست مندرجات

فہرست مندرجات

ج

فہرست مندرجات

فہرست مندرجات

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	۱	همعمو رادر	همعمر برادر
۳	۸	سری	رهی
۷	۴	کرماما إئند	کزمایاد ماند
۷	۵	فرداز مید	فردا امید
۱۹	۱۸	انتقام	انتظام
۲۸	۳	بیٹیوں	بیٹوں
۳۵	۱۲	مر	مربع
۳۹	۱۱	ریخ	مادہ تاریخ
۴۰	۴	کی آپ	کی + آپ رح
۵۶	٦	ھوے	ھوگئے
۷۱	۱۱	کار رائی	کاردانی
۷۲	۱۵	ان	اس
۷۳	۱۹	بھانجے	نواسے
۸۴	۳	سہی	مہیش
۸۵	۲	جیلمبر	جیسلمیر
۱۴۸	۱۴	اصلحه	اسلحه

۹۱ ۱۳ کے بعد ہے اکبر کی طرف سے جواب دیا گیا

فردوس به سلسبیل و کوثر نازد - دریا به گہر فلک به اختر نازد

عباس به ذوالفقار حیدر نازد - کونین به ذات پاک اکبر نازد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم
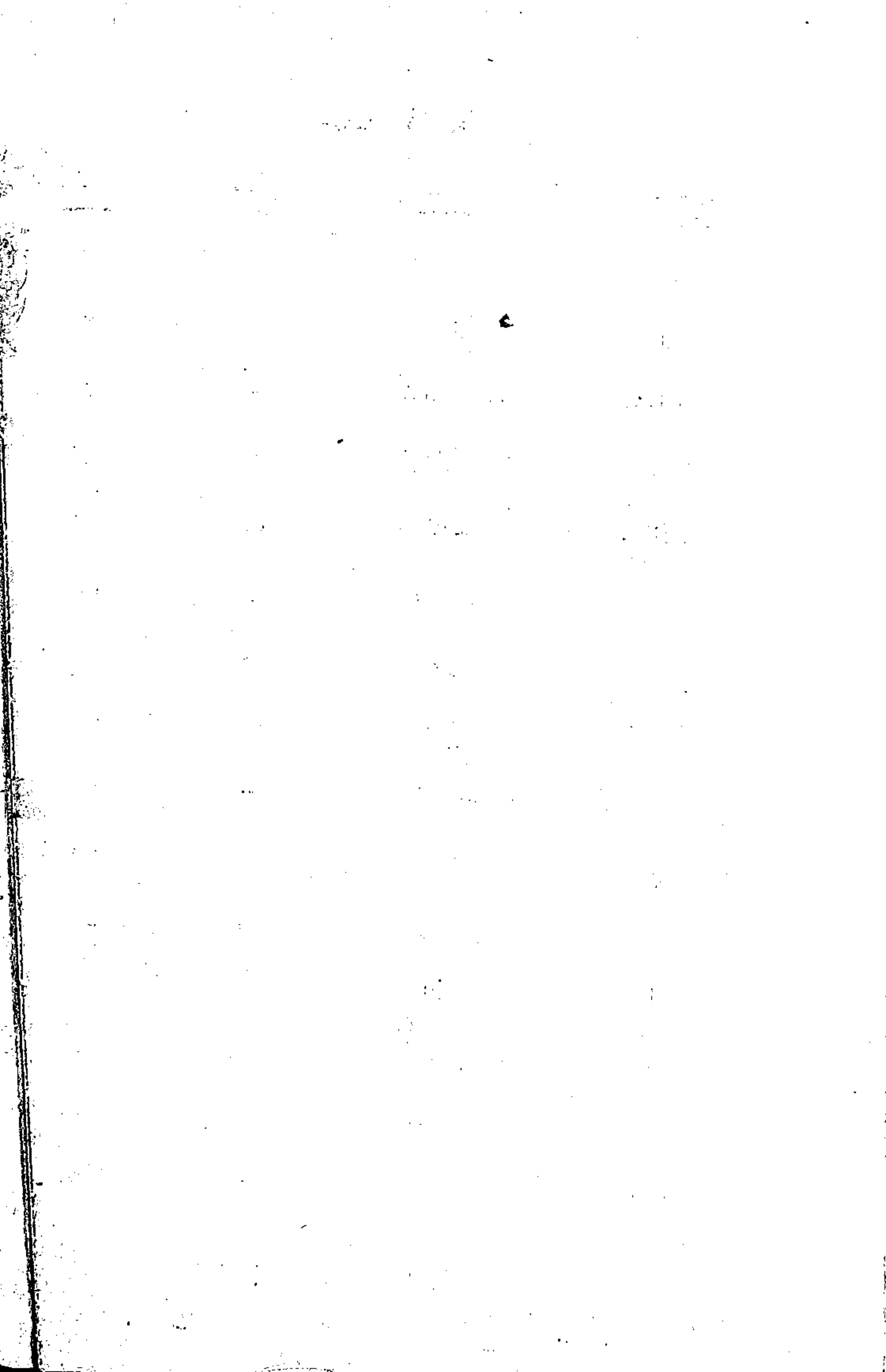
ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ❊ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

معارج روحانی

سوانح عمری سرآمد اولیا شیخ الاسلام شیخ الہند ماہِ اوجِ شرف
حضرت شیخ سلیم چشتی رحمت اللہ علیہ فتح پور سیکروی اکبر آبادی
نبیرہ حضرت بابا فرید الدین گنجشکر رحمت اللہ علیہ
مرشد شاہنشاہ اکبر

معہ خاص خاص واقعات جنہیں اُن کے عہد کے پانچ سو برس پہلے کے کئی اہم تاریخی گوشے اور کئی نامی شخصیتوں کے حالات جو اوراق کتب کے پردوں میں پنہاں تھے۔ آشکارا کئے گئے ہیں۔ نیز فتح پور سیکری اور اسکے محلات شاہی اور عمارات عالی کے حالات ریسرچ اور تحقیق کے بعد بیان کئے گئے ہیں اور ان کی تصاویر بھی شامل کی گئی ہیں

مرتبہ: سراج احمد عثمانی چشتی فتحپور سیکروی ثم کراچوی

۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۳ء

(مطبوعہ عباسی لیتھو آرٹ پریس ذیر روڈ کراچی ۱)

۷۸۶

انتساب

اس مخلصانہ اُنس کی بنا پر جو میرے اور مرحوم ہمعصر برادر محترم فاضل اجل خان بہادر الحاج مولوی اختر عادل - ایم - اے ایل ایل بی - سابق ایم - ایل - اے ایڈووکیٹ ہائی کورٹ مغربی پاکستان - سینیئر ایڈووکیٹ فیڈرل کورٹ آف پاکستان - کے مابین تھا جنھوں نے اپنی پوری زندگی بہ حیثیت صدر انجمن اسلامیہ اوقاف آگرہ و صدر کمیٹی درگاہ شریف فتحپور سیکری قوم کی خدمت - اولاد حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی بہبودی اور درگاہ عالیہ کی بہتری کے لئے وقف کر رکھی تھی - اور مرحوم کو جو عقیدت حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے اور جو دلچسپی آثار اکبری سے رہی - نیز اُن علمی اور ادبی نکات آفریں مذاکرات کی یاد میں جو میرے اور مرحوم کے درمیان اکثر ہوا کرتے تھے - ان سب کے اعتراف میں - اس کتاب کو میں مرحوم کے نام سے انتساب کرتا ہوں -

سراج احمد عثمانی چشتی

سراج احمد عثمانی چشتی
نے عباسی لیتھو آرٹ پریس سے چھپوا کر
۳۲۷ پاکستان کوارٹر
لارنس روڈ کراچی سے شائع کیا

سراج احمد عثمانی چشتی مصنف

الحاج مولوی اختر عادل مرحوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

الحمد للہ الذی لم یزل ولا یزال حیاً وقیوماً۔ عالماً۔ قدیراً۔ مدبراً۔ سمیعاً بصیراً۔ غفور الرحیم العزیز الوھاب الجواد الملک کریم البر الرؤف الرحیم۔

اللھم صل وسلم و بارک علی سیدنا محمد و آلہ و صحبہ صلوٰۃ تقضی بہا حاجتی و تفرج بہا کربتی و تحل بہا عقدتی۔ اللھم احفظنا من شرور انفسنا و من سیات اعمالنا۔

امابعد۔ سرزمین ہند و پاکستان کی اسلامی حکومت کے دور خیرالقرون میں جتنے صوفیا اور اولیاء کرام ہو گذرے ہیں۔ ان میں قدوۃ المجاہدین۔ برہان المتقین۔ سراج السالکین۔ تاج العارفین۔ ماہ اوج شرف شیخ الہند شیخ الاسلام حضرت شیخ سلیم چشتی فریدی قدس سرہ العزیز کی ذات گرامی۔ ایک ممتاز مقام رکھتی ہے۔ آپ کمال روحانی اور قرب الہٰی کے مدارج اعلیٰ پر فائز تھے۔ آپکو یہ عروج ورثہ میں اپنے جدِ اعلیٰ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ پاک پٹنی سے ملا تھا آپ کی ذات بابرکات سے اشاعت اسلام میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ آپ کے معتقدین اور حاشیہ برداروں میں بادشاہانِ عصر بھی تھے۔ بالخصوص شاہنشاہ اکبر اور جہانگیر نے آپ کی قدم بوسی کو سرمایۂ سعادت سمجھا۔ آپ کے فیض کی تفیض

ہو کر اور حصول فرزند کی مراد دلی پا کر اکبر بادشاہ نے دلی اور آگرہ کے قدیم دارالسلطنت کو چھوڑ کر آپ ہی کے آستانہ فتح پور سیکری کو اپنا پائے تخت بنالیا اور ایک نادر الوجود شہر تیار کر کے بے نظیر اور دلکش شاہی عمارت سے اسکو مزین کیا۔ چنانچہ یہاں کی جامع مسجد اور حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کا۔ مقبرہ و درگاہ آج بھی عہد حکومت مغلیہ کی نادر یادگاروں اور قابل فخر و ناز تبرکات میں سے ہے۔ روضہ اور جامع مسجد دنیا کی بے مثل عمارتوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مگر ہند و پاک کے اکثر مقامات کے رہنے والے حضرت شیخ موصوف کے احوال اور ان لاثانی عمارات سے بے خبر ہیں جسکا نتیجہ یہ ہے کہ ہند و پاک کی جتنی جنتریاں وغیرہ سال کے سال شائع ہوتی ہیں انہیں اکثر اولیائے کرام کی تاریخ وفات اور سالانہ عرسوں کا اشتہار چھپتا ہے مگر نہیں چھپتا تو حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے عرس و مقام کا۔ لہٰذا اس بے خبری کو دور کرنے کیلئے حضرت شیخ موصوف الیہؒ کے مستند حالات کتب مندرجہ ذیل سے اخذ کر کے پیش ناظرین کئے جاتے ہیں۔ اور حضرت سے متعلق اس دور کے خاص خاص تاریخی واقعات کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے۔ وہ کتابیں یہ ہیں:-

توزک جہانگیری۔ تاریخ فرشتہ۔ جواہر فریدی جو عہد جہانگیر بادشاہ میں شیخ علی اصغر فریدی چشتی بعد او لی ثم نجیب سیکری نے ۱۰۳۳ھ میں تالیف کی۔ مطبوعہ لاہور ۱۸۸۴ء مطابق ۱۳۰۱ھ ایک قلمی فارسی غیر مطبوعہ کتاب جسمیں بحوالہ تحفۃ القادریہ سلسلۃ الاسلام۔ شجرۃ الاسلام۔ معراج الولایت۔ انوار الثقلین اور حدیقۃ الاسرار حالات حضرت بابا فرید گنج شکرؒ اور حضرت شیخ سلیم چشتیؒ معہ ان کے خاندان اور عمارات فتحپور سیکری درج کئے گئے ہیں۔ مرآۃ الکونین اردو مرتبہ غلام نبی فردوسی مطبوعہ میگزنایاب۔

جسمیں ہر عہد اسلامی کے والیان ملک اور اُن کے ہم عصر اولیائے عظام کے حالات بالمقابل درج کئے گئے ہیں۔ اکثر عبارتیں ان کتابوں کی بجنسہ فارسی سے اُردو میں ترجمہ کرکے لکھ دی گئی ہیں ؎

"بس ایں نقشے است کز ما یا اندا" ؛ "نباشد ہیچ از فردا امیدم"
نویسندہ را نیست فردا امید ؛ نوشتہ بماند سیہ بر سپید۔

شجرہ خاندان حضرت شیخ سلیم چشتی رحمتہ اللہ علیہ

ولادت ۸۸۴ھ (۱۴۷۸ء) وفات ۹۷۹ھ (۱۵۷۱ء)

شجرہ نسب: بندگی حضرت سراج السالکین۔ تاج العاشقین شیخ الاسلام والمسلمین شیخ سلیم چشتی۔ ابن شیخ بہاء الدین چشتی۔ ابن خواجہ بدرالدین عرف شیخ میٹھے چشتی۔ ابن خواجہ شیخ سلیمان چشتی۔ ابن خواجہ شیخ معروف چشتی۔ ابن شیخ آدم چشتی۔ ابن خواجہ شیخ موسیٰ چشتی ابن خواجہ شیخ مودود چشتی۔ ابن بندگی حضرت شیخ بدرالدین سلیمان چشتی ابن بندگی حضرت قطب الاقطاب سرور اولیا حضرت بابا فریدالدین گنج شکر پاک پٹنی رحمتہ اللہ علیہ (مزار پاک پٹن ضلع منٹگمری مغربی پاکستان) شیخ بدرالدین کی کی والدہ ماجدہ ہزبیرہ خاتون زوجہ بابا فرید رح بادشاہ دہلی سلطان غیاث الدین بلبن کی دختر نیک اختر تھیں۔ حضرت شیخ سلیم رح بابا فرید رح کی نویں پشت میں ہیں۔

سلسلہ چشتیہ حضرت بابا فرید گنج شکر رح مرید خاص و خلیفہ حضرت خواجہ شیخ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمتہ اللہ علیہ کے تھے جنکا مزار قطب صاحب قصبہ مہرولی۔ پُرانی دہلی میں ہے۔ حضرت قطب صاحب مرید خاص و خلیفہ حضرت

سلطان الہند غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی ۔سنجری ۔ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تھے جن کی درگاہ اجمیر شریف راجپوتانہ، ہندوستان میں ہے۔

سلسلۂ نسب حضرت بابا فرید گنج شکرؒ ۔حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ ابن خطاب خلیفہ دوئم کی اولاد میں ہیں ۔حضرت عمر فاروقؓ کی دختر بلند اختر حضرت بی بی حفصہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں بابا فرید گنج شکرؒ حضرت عمر فاروقؓ کی چوبیسویں پشت میں ہیں ۔لہذا آپ نسباً فاروقی ہیں ۔حضرت بابا گنج شکرؒ کے فرزند ارجمند وخلیفہ حضرت بدرالدین سلیمانؒ کی زوجہ مکرمہ بی بی ملکورحؒ عثمانی تھیں ۔ملک العلما قاضی ابوسلم عثمانی کی دختر تھیں قاضی ابوسلم ۔حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسلمین ۔جناب عثمانؓ ابن عفان ۔کامل الحیاءٔ والایمان ۔جامع القرآن ۔ذوالنورین کی اولاد میں اٹھارویں پشت میں ہیں ۔حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دو نور نظر صاحبزادیاں حضرت رقیہؓ اور حضرت اُم کلثومؓ حضرت عثمانؓ کے عقد میں یکے بعد دیگرے تھیں اسی لئے آپ کا لقب ذوالنورین تھا ۔حضرت شیخ سلیم چشتیؒ بھی مادری سلسلے سے عثمانی ہیں ۔آپ کی والدہ ماجدہ بی بی آختہ عثمانیؒ بنت شیخ کریم اللہ عثمانی ہیں ۔جو مذکورہ بالا ۔ ملک العلما قاضی ابوسلم عثمانی کی اولاد میں ہیں ۔ان بی بی آختہؒ کے بھائی حضرت شیخ حاجی حسینؒ حضرت شیخ سلیم چشتی کے مقرب خاص ۔خادم محرم راز شیخ امیر قافلہ خلیفہ اور متولی درگاہ تھے ۔

پیدائش بمقام دہلی حضرت شیخ سلیم چشتی رحؒ کے والد ماجد شیخ بہاءالدین چشتی پاک پٹن سے شہر لدھیانہ پنجاب میں آکر سکونت پذیر ہوگئے تھے ۔پھر وہاں سے بہ القاء ربانی ترک سکونت کرکے ۸۸۲ھ میں دارالسلطنت دہلی میں تشریف

لاکر سرائے حضرت شیخ علاء الدین زندہ پیرؒ میں سکونت پذیر ہو گئے حضرت علاء الدین زندہ پیر بھی حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے بیٹے شیخ بدر الدین سلیمانؒ کے فرزند شیخ علاء الدین موج دریاؒ کی اولاد میں ساتویں پشت میں بابا صاحب کے ہیں شیخ علاء الدین موج دریا کی والدہ بی بی ملکو عثمانی تھیں۔ حضرت شیخ سلیم چشتیؒ ۸۸۳ھ میں سرائے علاء الدین زندہ پیر دہلی میں پیدا ہوئے۔

آمد بہ قصبہ سیکری

جب آپ کی عمر نو ۹ سال کی ہوئی تو آپ کے والدین کا دہلی میں انتقال ہو گیا۔ اُن دونوں کے مزار گنبد علاء الدین زندہ پیر دہلی میں ہیں۔ بعد آپ کے بڑے بھائی شیخ موسیٰ چشتی معہ آپ کے دہلی سے آکر قصبہ سیکری میں متوطن ہو گئے جو شہر آگرہ (اکبر آباد) سے ۲۲ میل جنوب میں واقع ہے۔

تاریخ سیکری عرف شکری و فتح آباد و فتحپور سیکری دالنور دار السرور پائے تخت اکبر بادشاہ اسکی عظمت رفتہ کی یادگار۔

یہ قصبہ سیکری ایک زمانہ میں سیکروار راجپوتوں کی راجدھانی تھا۔ اس زمانہ کے قلعہ کے آثار ایک متصل پہاڑی پر نظر آتے ہیں یہ مقام پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا۔ یہ راجپوتانہ کا دروازہ ہے۔ کوہستان آراولی کا سلسلہ یہاں سے شروع ہوتا ہے جو راجپوتانہ سے گذرتا ہوا اجمیر شریف اور اس سے آگے تک چلا گیا ہے۔ اس سیکری کو جو یہ شرف آمد حضرت شیخ سلیمؒ کا حاصل ہوا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب ظہیر الدین بابر بادشاہ (اکبر کے دادا) نے ۱۵۲۶ء میں جنگ پانی پت دوئم میں دہلی کے بادشاہ ابراہیم لودی (پٹھان) کو شکست دیکر ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد ڈالی تو بابر کے خلاف جنگ کرنے کے لئے ہندوستان کے پٹھانوں اور ہندو راجپوت راجاؤں نے

ایک متحدہ محاذ قائم کیا - اس جنگ پانی پت ۱۵۲۶ء کو تاریخوں میں جنگ پانی
پت اول بیان کیا گیا ہے حالانکہ جنگ پانی پت اول تو چند سال قبل درمیان
بہلول خاں لودی حاکم سرہند اور محمد شاہ بادشاہ دہلی جو خضر خاں کی قائم کردہ نام نہاد
سلطنت سادات دہلی کا آخری بادشاہ تھا - لڑی جا چکی تھی جسمیں بہلول لودی نے

جنگ پانی پت اول و دوئم

محمد شاہ بادشاہ دہلی کی فوج کو - بمقام پانی پت شکست فاش دی
تھی اور جب بہلول لودی دہلی پہونچا تو محمد شاہ مذکور نے اس کو
اپنا بیٹا بنا لیا اور اس کو بدستور سرہند اور پانی پت پر حکمران رکھا - محمد شاہ کی وفات
کے بعد جب امراء نے اسکے بیٹے علاء الدین عرف عالم شاہ کو بادشاہ بناکر تخت دہلی پر
بٹھایا تو عالم شاہ نے بہلول لودی سے کہا کہ محمد شاہ نے تمکو اپنا بیٹا بنایا تھا - لہذا میں
سلطنت دہلی سے دستبردار ہو کر تم کو بادشاہ بناتا ہوں اور میں صرف اپنی صوبہ داری
صوبہ بدایوں پر ہی قناعت کروں گا - چنانچہ جنگ پانی پت اول کا فاتح بہلول لودی
۱۴۵۲ء میں دہلی کا بادشاہ ہو گیا اور لودی خاندان کی سلطنت ہندوستان میں قائم
ہو گئی (تاریخ ہند اکبر شاہ خاں نجیب آبادی) - پس جب جنگ دوئم پانی پت میں بابر

جنگ خانوا

نے ابراہیم لودی کو شکست دے کر اپنی سلطنت قائم کی اور اس کے
خلاف جو متحدہ محاذ جنگ قائم ہوا تو میواڑ یعنی چتوڑ کا راجہ رانا سانگا ان افواج
کا کمانڈر مقرر ہوا - پٹھانوں کا سردار فوج محمود خاں لودی پسر سکندر خاں لودی اور
ملک میوات کا حکمران حسن خاں میواتی - میواتی فوج کا افسر مقرر ہوئے - چنانچہ اس
قصبہ سیکری سے قریباً ۵ میل جانب جنوب موضع خانوا کے میدان میں ۱۵۲۷ء میں
وہ مشہور جنگ خانوا - ہوئی جو جنگ مہا بھارت ثانی کہلاتی ہے (یہ خانوا اب ریاست

بھرتپور میں ہے) راناسانگا کی فوج کا شمار دو لاکھ تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں ایک فوج ہاتھیوں کی تھی۔ بابر کی فوج کی تعداد کل بیس ہزار تھی۔ بابر کا کیمپ بھی مقام سیکری ہی تھا۔ اسی سیکری کی ایک مسجد میں بابر نے وہ مشہور توبہ از شراب نوشی کی تھی جسمیں تمام جام وسبو۔ ساغر و مینا توڑ ڈالے تھے اور نیز ریش تراشی سے بھی تائب ہوا تھا۔ اس جنگ میں بابر کو فتح عظیم حاصل ہوئی تھی۔ راناسانگا زخمی ہو کر میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ بابر نے اس خوشی میں سیکری کو مبارک سمجھ کر شکری کا لقب دیا اس سیکری سے خانوا تک گنج شہیداں چلا گیا ہے لہذا یہ مقام متبرک سمجھا جاتا ہے۔ یہاں حضرت شیخ سلیمؒ کے بھائی شیخ موسیٰؒ تشریف لاکر مقیم ہو گئے۔ یہاں متوطن ہونے کے بعد شیخ موسیٰؒ نے حضرت شیخ سلیمؒ کی تربیت کی۔ اُن کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ اس بھتیجہ سے بیحد محبت تھی۔ جب حضرت شیخ سلیمؒ کی عمر ۱۴ چودہ سال کی ہوئی تو آپ کو جاذبہ حُبّ الہٰی دامنگیر ہوا۔ آپ نے بھائی سے سفر حج کی اجازت مانگی۔ مگر بھائی نے اجازت نہ دی۔ کہا کہ میرے کوئی بیٹا نہیں ہے۔ تم ہی سے تسکین خاطر کرتا ہوں تمہاری جُدائی برداشت نہ ہو سکے گی۔ اسپر حضرت شیخ سلیمؒ نے بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ آپکو فرزند جلد عطا کریگا۔ آپ حد سے زیادہ ریاضت اور مجاہدہ میں مشغول رہتے تھے۔ اپنے جد امجد کی طرح نماز معکوس ادا کیا کرتے تھے۔ اکثر راتوں کو نیند کے غلبہ سے بچنے کے لئے۔ تنہائی میں۔ درخت پر چڑھکر شب بیداری اور اوراد وظائف ادا کیا کرتے تھے۔

روانگی برائے حج اور بیعت جب آپکی بشارت پر شیخ موسیٰؒ کے بیٹا پیدا ہوا تو حضرت

شیخ سلیمؒ نے اجازت حج طلب کی جو مل گئی اور آپ سفر حج پر روانہ ہو گئے۔ اول سرہند شریف پہونچے جہاں حضرت مجدد الف ثانی رح کا مزار ہے وہاں شیخ مجدالدین ملک العلما سے علوم ظاہری و باطنی کسب فرمائے۔ پھر وہاں سے قصبہ بھدالی مخدوماں جو بفاصلہ تین کوس ہے۔ پہونچے اور مسجد قطب العالم مخدوم زین العابدین چشتی رح میں قیام کیا۔ پھر وہاں سے اپنے جد اعلیٰ بابا فرید گنج شکر رح کے مزار کی زیارت کے لئے اجودہن (پاک پٹن) تشریف لے گئے۔ آپکی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ یہاں آپ نے بابا صاحب کے دیوان و صاحب سجادہ شیخ ابراہیم سے جنکا لقب ثانی فرید۔ ثالث فرید۔ شیخ برہم۔ اور شاہ برہم تھا۔ بیعت کی اور خرقہ شریف اور خلافت کی سند اور دیگر تبرکات فیض حضرت بابا صاحب کے وصول کئے۔ روایت ہے کہ جب دیوان شیخ برہم شاہ رح نے ارزوئے القا۔ حسب ارشاد بابا صاحب خرقہ شریف آپکا۔ حضرت شیخ سلیم چشتی رح کو مرحمت کیا تو دیوان صاحب کے سابق مریدوں کو تعجب ہوا اور انھوں نے شکوہ کیا کہ ہم اتنی مدت سے مصروف خدمت و ریاضت ہیں، مگر ہم محروم رہے اور نووارد شیخ سلیمؒ کو بغیر مجاہدہ یہاں آتے ہی سب کچھ مل گیا۔ تو دیوان موصوف نے جواب دیا کہ یہ نعمت جناب الٰہی ہے جو کہ میرے پاس میرے جد پاک اور بزرگوں سے بطور امانت تھی اور جو شیخ سلیمؒ کے لئے مقرر تھی۔ اُن کے آنے پر اُن کے حوالہ کر دی گئی۔

آپ نے کل ۲۴ حج کئے

یہاں سے آپ حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ آپنے کلھم چوبیس حج ادا کئے۔ تئیس پیدل اور آخری بحری جہاز سے۔ آپنے باوقات مختلف تیس سال تک ممالک عرب، عراق، حجاز، اور شام میں سیاحی کی اور

متعدد اولیائے کرام سے فیوض و برکات دینی اور مدارج معنوی اور روحانی حاصل کیے۔

ظہور کرامت

حج بیت اللہ سے ۹۴۴ھ میں واپس آکر آپ نے سیکری ہی میں پہاڑ کی چوٹی پر ایک غار میں گوشہ نشین ہوکر عبادت ریاضت اور مجاہدات میں شغف اختیار کیا۔ اس پہاڑ میں۔ شیر، بگھیرا وغیرہ ہر قسم کے درندے جانور رہتے تھے اس پہاڑ سے سنگ تراش سرخ پتھر کھود کر نکالا کرتے۔ انھوں نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ شب میں بالائے کوہ نہ رہیں۔ مبادا شیر وغیرہ آپکو گزند پہونچائیں آپنے فرمایا کہ فقیر کو تو یہی گوشہ عافیت پسند ہے۔ سنگتراش واپس چلے گئے مگر یہ چین رہے۔ دوسرے دن علی الصباح دیکھنے آئے تو یہ دیکھکر محو حیرت رہ گئے کہ آپ نماز میں مشغول ہیں اور دو شیر کچھ فاصلہ پر پھر رہے ہیں اور آپکو گزند نہیں پہونچاتے۔ انھوں نے آپ کی اس کرامت کا چرچا کردیا۔ اور آپ کے معتقد ہوکر پہاڑ کی چوٹی پر اُس غار سے متصل ایک چھوٹی سی خوبصورت مسجد بنادی جو مسجد سنگ تراشان کے نام سے اب تک موجود ہے اور اس کے ایک گوشہ میں وہ غار عبادت بھی ہے اس مسجد کا سال تعمیر دیگر کتبات اور آیات قرآنی کے ساتھ مسجد کی محراب اول پر ۹۲۵ھ کندہ ہے۔ اسی زمانہ میں اس نواح کے راجپوت مسلمان بھی جو لکانے کہلاتے ہیں۔

عہد سلطنت شیر شاہ سوری

یہ وہ زمانہ تھا کہ بنگال کے ایک جاگیردار شیر خاں سوری افغان نے خروج کرکے۔ ہمایوں۔ پسر بابر بادشاہ دہلی سے سلطنت دہلی چھین لی تھی اور ہمایوں ہندوستان سے فرار ہوکر شاہ ایران کے پاس پناہ گزیں ہوا تھا اسی دوران فراری میں۔ اکبر صحرائے سندھ میں بمقام عمر کوٹ پیدا ہوا تھا۔ شیر خان شیر شاہ سوری کے لقب سے تخت دہلی پر متمکن ہوکر ہندوستان کا بادشاہ ہوگیا۔ اس

شیرشاہ سوری کا ایک خاص معتمد ملقب بہ خواص خاں تھا جسکی لیاقت اور مردانگی سے شیرشاہ بادشاہ بنکر شیرشاہ ہوگیا تھا۔ اور یہ خواص خاں بادشاہ کا قدیم خاص مصاحب ملقب بہ امیر الامرا تھا۔ خواص خاں سال ۹۴۶ھ میں حضرت شیخ کی خدمت میں آکر آپکا مرید ہوگیا۔ مگر کچھ دنوں بعد خواص خاں اور شیرشاہ میں ان بن ہوگئی۔ خواص خاں قید ہوا اور اُسے بعد کو سزائے موت دی گئی۔ شیرشاہ حضرت شیخ سلیم چشتی سے بھی ناخوش ہوگیا اور آپ کو قلعہ گوالیار میں نظر بند کر دیا۔ مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ چند ہی دنوں کے بعد جب شیرشاہ کالنجر کے مشہور ناقابل تسخیر قلعہ کی مہم پر تھا قلعہ فتح کرتے وقت اتفاقاً بارود کے میگزین میں دھماکا ہوا اور شیرشاہ زخمی ہوکر جان بحق ہوگیا اور آپ نظر بندی سے آزاد ہوکر سیکری آ گئے۔

شیرشاہ کے مصاحب و مشیر خواص خاں کا آپکا مرید ہونا

قلعہ گوالیار میں آپکا قید ہونا۔

شیرشاہ کی مرگ ناگہاں اور آپکی رہائی

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ جب شیرشاہ نے وفات پائی تو اس وقت اسکا بڑا بیٹا اور ولی عہد عادل شاہ دور دراز مقام پر قلعہ رنتھنبور میں تھا۔ اس کا چھوٹا بھائی جلال خاں قریب تر بمقام ریواں پانچ دن کی راہ پر تھا۔ اُمرا نے عجلت میں جلال خاں کو اسلام شاہ سوری کا لقب دیکر تخت پر بٹھا دیا۔ اسلام شاہ آگرہ آگیا جسکو لودی بادشاہوں نے اپنا دارالحکومت بنالیا تھا۔ اس نے اپنے بڑے بھائی عادل شاہ کو لکھا کہ میرا ارادہ آپ ہی کو سلطنت سپرد کر دینے کا ہے۔ اگر آپ آگرہ آجائیں تو میں تخت سے دستبردار ہوکر آپ کے سپرد کر دونگا۔ چنانچہ عادل شاہ آگرہ کو چل پڑا سلیم شاہ اس وقت سیکری میں حضرت شیخ سلیم چشتی رح کے جوار میں کیمپ ڈالے

عادل شاہ اور سلیم شاہ پسران شیر شاہ سوری کا آپ کے پاس آنا

پڑا تھا۔ سیکری ہی میں دونوں بھائی ملے۔ اور حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری دی۔ پھر آگرے آئے۔ سلیم شاہ نے عادل شاہ کو تخت سلطنت پیش کیا۔ مگر عادل شاہ کو بدگمانی ہو کر اس میں سلیم شاہ کی کوئی چال اور فریب معلوم ہوا اور تخت نشین ہونے سے انکار کر دیا اور سلیم شاہ سے کہا کہ تم ہی بدستور سلطنت کرو۔ اس پر سلیم شاہ نے عادل شاہ کو اس کے حسب منشا صوبہ بیانہ کی جو آگرہ سے ہم سرحد ہے۔ جاگیر دیکر وہاں کا صوبہ دار بنا دیا۔ عادل شاہ بیانہ پہونچا ہی تھا کہ اسلام شاہ کے دل میں عادل شاہ کے خلاف وسوسہ پیدا ہوا اور اس نے اپنے ایک خاص مصاحب غازی محلہ کو سونے کی بیڑیاں دیکر عادل شاہ کو گرفتار یا بہ زنجیر حاضر لانے کے لئے روانہ کیا مگر عادل شاہ کو اسکی خبر ہو گئی اور وہ بہ عجلت صوبہ میوات کے حاکم موسومہ بہ خواص خاں کے پاس پہونچا اور اسلام شاہ کی اس بدعہدی اور احسان فراموشی سے مطلع کیا۔ چنانچہ عادل شاہ اور خواص خاں دونوں اپنا لشکر لے کر آگرہ کو چلے اور غازی محلہ کو اثنا راہ میں گرفتار کر کے وہی سونے کی بیڑیاں پہنا کر ساتھ لیا۔ راستہ میں یہ دونوں۔ سیکری میں حضرت شیخ سلیم چشتی رح کے حضور میں حاضر ہوئے۔ اسی دوران میں حضرت شیخ رح کے ایک مرید قاضی غیاث الدین نے آکر آپ سے عرض کیا کہ میری عادل شاہ سے رسم ملاقات ہے۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ لہذا آپ اپنا عراقی گھوڑا مجھے عنایت کر دیں کہ میں اس کو عادل شاہ کو بطور نذر پیش کر دوں۔ آپ نے فرمایا کہ خیر میں اس شرط پر اپنا گھوڑا دیتا ہوں کہ صرف عادل شاہ اسکو خاص اپنی ہی سواری میں رکھے اور دوسرا کوئی اسپر سواری نہ کرے۔ قاضی نے

نے اسی وعدہ پر گھوڑا لے جاکر عادل شاہ کے نذر کردیا اور فرمودۂ حضرت شیخ رح
سے بھی آگاہ کردیا۔ وہ گھوڑا بہت خوبصورت عمدہ نسل کا تھا۔ عادل شاہ کے
ایک خاص مصاحب کے پسند آگیا اور اس نے عادل شاہ سے مانگ کر اسپر
سواری کی۔ قاضی مذکور نے واپس آکر یہ ماجرا حضرت شیخ رح کے گوش گزار کیا
آپ نے فرمایا "کہ بس۔ عادل شاہ نے اپنی سلطنت کھودی" چنانچہ ایسا ہی
ہوا۔ جب عادل شاہ اپنا لشکر لئے ہوئے اسلام شاہ سے جنگ کرنے
آگرہ پہونچا تو اسلام شاہ بہت سراسیمہ ہوا اور قلعہ بند ہوگیا اسکی فوج عادل شاہ
سے جا ملی۔ اسنے ارادہ کیا کہ چنار کو بھاگ جائے۔ حسن خاں نیازی اور قطب خاں
امرا نے دونوں بھائیوں میں مصالحت کرانے کی کوشش کی مگر ایک امیر عیسیٰ خاں
نے اسکی ہمت بندھائی کہ اپنی خاصہ کی فوج سے جسمیں اس کے احباب اور ہوا خواہ
تھے مقابلہ کرے۔ اسلام شاہ نے اپنا ایک ایلچی سیکری حضرت شیخ سلیم چشتی رح
کی خدمتمیں بھیجا کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ
اسلام شاہ سے کہو کہ فوراً سوار ہوکر قلعہ سے باہر نکلے۔ اسکا
لشکر جو عادل شاہ سے جا ملا ہے پھر لوٹ کر اس سے آملیگا

اسلام شاہ کا آپ سے دعا کا طالب ہونا

اسلام شاہ نے تعمیل حکم کی اور اسکا لشکر پھر معہ عادل شاہ کے لشکر کے اس سے
آملا۔ پانسہ پلٹتے ہی عادل شاہ میدان چھوڑ کر پٹنہ کی طرف فرار ہوکر مفقود الخبر
ہوگیا۔ اور اسلام شاہ بدستور بادشاہ بنا رہا۔ نو سال بعد جب اسلام شاہ فوت ہوا
تو اس کا چچا زاد بھائی اور سالہ مبارز خاں جو شیر شاہ سوری کے
بھائی نظام خاں کا بیٹا تھا۔ اسپنے بھتیجہ فیروز شاہ پسر اسلام شاہ کو

زمانہ ہیموں گردی

جو اسکی حقیقی بہن بی بی بانی کے بطن سے تھا اور اسکا بھانجہ بھی تھا - باوجود اپنی بہن کے زار و قطار رونے کے قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا اور اپنا نام محمد شاہ عادل سُور رکھا - مگر محمد شاہ عدلی کے نام سے مشہور ہوا - یہ نہایت نالائق اور کمینہ پرور تھا - اس نے ہیموں نام ہندو بنیہ کو

سُوریوں کی باہم خانہ جنگیاں

جو ریواڑی (پنجاب) کا رہنے والا تھا - اول چوہدری - اور منصبدار مقرر کیا - پھر اس کو ملک و مال کا مختار اور اپنا وزیر کل بنا دیا اور خود عیش و عشرت میں مبتلا ہو گیا - ہیموں گردی سے رعایا پریشان ہو گئی عوام اسکو بجائے عادل کے عدلی اور افغان لوگ اندھلی کہنے لگے - اس عدلی شاہ سور کے زمانہ میں باہم سوری افغانوں میں خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں - اول تاج خاں کرمانی نے جو سلیم شاہ سوری کے امراء میں سے تھا بغاوت کی - مگر عدلی نے ہیموں کے ذریعہ اسکو مغلوب کیا پھر عدلی نے اپنے بہنوئی ابراہیم خاں سوری سے جو چنار (بنگال) میں باشوکت حاکم تھا - پرخاش مول لی - یہ شیر شاہ سوری کے چچا کی اولاد میں تھا - حالانکہ اس ابراہیم خاں سوری نے - عدلی کے خلاف بغاوت کرنے والے ایک امیر سکندر خاں فرملی کو جب وہ عدلی پر حملہ آور ہوا تھا تو عدلی کی حمایت میں اسکو قتل کیا تھا - مگر عدلی نے اسی ابراہیم خاں کو گرفتار کر لے کے لئے ایک مہم روانہ کی - مگر عدلی کی بہن زوجہ ابراہیم خاں نے - ابراہیم خاں کو باخبر کر دیا - ابراہیم خاں چنار سے بھاگ کر اپنے باپ غازی خاں کے پاس کالپی چلا گیا - عدلی نے اس کے خلاف بھی فوج بھیجی - مگر ابراہیم خاں نے اس فوج کو شکست دیدی - اور پھر یہ ابراہیم خاں دہلی پر قابض ہو گیا - اس عرصہ میں عدلی شاہ چنار پر جا کر قابض ہو گیا - اور

ابراہیم خاں سوری ابراہیم ۔ شاہ سوری کے نام سے دہلی اور آگرہ میں سلطنت کرنے لگا۔ یہ خبر پاکر احمد خاں سوری جو حاکم پنجاب تھا اور شیر شاہ سوری کا چچازاد بھائی اور عدلی شاہ کا دوسرا بہنوئی بھی تھا۔ سلطان بننے کا خواہشمند ہوا اور اپنا لقب سکندر شاہ سوری اختیار کر کے ۔ ابراہیم شاہ سوری ۔ اپنے ہم لف پر آگرہ میں حملہ آور ہوا ۔ بمقام فرح قرب آگرہ دونوں کا مقابلہ ہوا ۔ ابراہیم شاہ کی فوج ستر ہزار تھی ۔ سکندر شاہ کی فوج تعداد میں کم تھی سکندر شاہ نے خائف ہو کر ابراہیم شاہ سے صلح کرنی چاہی ۔ مگر ابراہیم شاہ نے جنگ جاری رکھی اول ابراہیم شاہ غالب آیا ۔ مگر اس کی فوج لوٹ مار میں مشغول ہو گئی ۔ سکندر شاہ نے موقعہ تاک کر حملہ کر دیا ۔ ابراہیم شاہ شکست کھا کر سنبھل (مراد آباد) کی طرف فرار ہو گیا اور سکندر شاہ لودی بادشاہ بن کر دہلی اور آگرہ پر قابض ہو گیا ۔

ہمایوں کی ایران سے پھر ہندوستان میں واپسی ۔

سوریوں کی اس باہمی خانہ جنگیوں کی خبر پا کر ۔ ہمایوں شاہ ایران کی کمک سے اول کابل اور قندھار پر اپنے بھائیوں سے جنگ کر کے ۔ قابض ہوا ۔ پھر اپنی کھوئی ہوئی سلطنت ہندوستان کو حاصل کرنے کے لئے حملہ آور ہوا اور سکندر شاہ سوری کو شکست دیکر دہلی اور آگرہ پر قابض ہو گیا ۔ مگر اتفاقاً ایک دن ہمایوں بادشاہ اپنے کتب خانہ واقع قلعہ دہلی کی چھت کے زینہ پر سے اذان مغرب کی آواز سنکر اترتے ہوئے پاؤں پھسل کر گر کر جاں بحق ہو گیا ۔ اس وقت اکبر پسر ہمایوں معہ بیرام خاں اپنے اتالیق اور کماندار افواج کے کلانور ۔ پنجاب میں تھا ۔ وہاں ہی اکبر کی تاج پوشی ہوئی ۔

(۱۴ فروری ۱۵۵۶ء) ۔ ہمایوں کی اچانک وفات کی خبر پا کر ۔ عدلی شاہ سور نے

چنار سے پھر دہلی پر حملہ کر کے سلطنت حاصل کرنی چاہی۔ ایک بڑی فوج ہیموں

ہیموں سے جنگ اور ہیموں کی موت

کی سرکردگی میں دہلی پر حملہ آور ہوئی۔ پہلے اس فوج نے آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ کثرت حملہ آور فوج کی وجہ سے تردی بیگ حاکم دہلی مقرر کردہ بیرام خاں و ہمایوں کو دہلی سے فرار ہونا پڑا۔ اور ہیموں دہلی پر قابض ہو گیا۔ اکبر اسوقت جالندھر (پنجاب) میں تھا۔ بیرام خاں اکبر کو ہمراہ لے کر ہیموں کے مقابلہ کو دہلی کی طرف چل پڑا۔ بمقام پانی پت دونوں فوجوں

جنگ سوئم پانی پت

کا ۹۶۳ھ ۱۵۵۶ء میں مقابلہ ہوا جسمیں ہیموں جو ہاتھی پر سوار تھا۔ زخمی ہوا۔ اس کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی ہیموں گرفتار ہو کر قتل ہوا۔ اور اس جنگ سوم پانی پت کے بعد اکبر دہلی و آگرہ کے تخت پر متمکن ہو کر بادشاہ ہندوستان ہو گیا ہیموں نے اپنے کو راجہ بکرماجیت کا خطاب دیا تھا۔ بیرام خاں اور اکبر نے سکندر سور پر پنجاب میں فوج کشی کی۔ اس نے خود کو قلعہ مان کوٹ میں محصور کر لیا اور طویل محاصرہ کے بعد ۱۵۵۷ء میں خود کو اکبر کے حوالہ کر دیا۔ جسکو امان دی گئی اور بنگالہ میں جاگیر دیدی گئی جہاں وہ بارہ سال بعد فوت ہو گیا۔ شروع شروع کی ہیموں گردی کے ایام میں

ہیموں گردی کے آغاز میں حضرت شیخ کا ارادہ ہجرت حج کو جانا

حضرت شیخ سلیم چشتی نے ہندوستان سے مدینہ طیبہ کو ہجرت کرنے کا ارادہ کر لیا اور اس ارادہ سے سال ۹۶۲ھ میں اپنا آخری حج بیت اللہ سمندر کے راستہ سے کیا اپنے مرید شیخ کبیر کو جہاز کے انتظام کے لئے بندرگاہ شہر صورت روانہ کیا اور فرمایا کہ جہاز اتنا بڑا مہیا کیا جائے کہ جو بھی حاجتمند

یا فقیر حج کو جانا چاہے وہ ہمارے ساتھ جہاز میں چلے۔ شیخ کبیر مذکور نے جہاز کی فراہمی کے بعد یہ شعر اپنے خط میں لکھ کر حضرت شیخ علیہ الرحمہ کو بھیجا تھا۔

شکم رفتہ رفتہ آب دریا شد تماشا کن ÷ بیا در کشتی چشم نشین و سیر دریا کن

آپ حج کو تشریف لے گئے اور بعد از حج مدینہ طیبہ میں زیر پائے روضہ اقدس معتکف ہوئے اور ایک عرصہ تک وہاں رہے۔ آپ یہ تمنا دل میں لیکر گئے تھے کہ مدینہ شریف ہی میں وفات ہو اور خاک پاک مدینہ میں پیوند ہو جاؤں۔ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو بشارت دی کہ "تم ہندستان واپس جاؤ وہاں کے لوگوں کو فیض پہونچاؤ اور دین کی اشاعت کرو اور تمہاری تمنا پوری کی جائے گی۔ اور تمہاری قبر کے لئے وہاں ہی مدینہ کی زمین قسمت کی جائیگی" (جواہر فریدی) جب یہ حکم ملا تو آپ بہت خوش خوش واپس وطن ہوئے یہ سال ۹۷۱ھ تھا۔ اثنائے قیام و سیاحی ممالک عرب و شام آپ کو عجائب و غرائب کے مشاہدات ہوئے وہاں کے اہل اللہ اور اولیائے عظام سے فیوض حاصل کئے اور دوسروں کو بھی فیض پہونچائے۔ قطب وقت خواجہ بہاؤالدین نقشبند + خواجہ احرار اور خواجہ اسماعیل شروانی سے فیضیاب ہوئے۔ خواجہ اسماعیل شروانی بڑے پایہ کے بزرگ تھے اور خواجہ احرار کے خلیفہ اعظم تھے وہ اور حضرت شیخ سلیمؒ۔ ایک ہی حجرہ میں کئی سال ساتھ ساتھ مقیم رہے تھے۔ جن ایام میں آپ بدوران حج سابقہ مدینہ میں مقیم تھے تو ایک بار آپ نے شب معراج کو حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ حضورؐ نے آپ کو اذن دیا کہ شام میں یا شیخ ابراہیم عیاض رحؒ کے پاس جاؤ۔ یہ شیخ ابراہیم رحؒ

شام میں شیخ ابراہیم عیاض سے بیعت

خواجہ فضیل بن عیاضؒ کے ارشد مریدوں میں تھے۔ چنانچہ آپ نے ان کے پاس پہونچکر ان سے بیعت کی شجرہ بیعت مذکورہ فارسی مندرجہ ذیل ہے :-

بعد حمدِ خدائے بے ہمتا — وز پس نعتِ خواجۂ دوسرا
میکنم شرح شجرۃ الاسلام — سلسلہ وار جملہ نام بنام
اولاً احمدِ احمدِ مرسل — نیست بیروں ز امر او جز و کل!
واں امام ہمام ملت و دین — مقتدائے صفوفِ اہلِ یقین
اسد اللہ سرور غالب — شاہِ مرداں علی ابو طالب
واں دگر برگزیدۂ خالق — چہرہ اش صبح عشق را - فائق
مشتہر در محامدِ احسن — زبدۃ العارفین خواجہ حسن
واں منزہ ز عنصرِ کثرت — دُرِ یکتائے قلزمِ وحدت
افتخارِ زمین و فخرِ زماں — عبدِ واحد یگانۂ دوراں
واں دگر افتخارِ اہلِ یقیں — آسمانِ شرف بروئے زمین
مسند بر فضائلِ فیاض — خواجہ خواجگاں فضیل عیاض
واں دگر پیشوائے زمرۂ خاص — پیش گیرِ طریقۂ اخلاص
سالکاں را بہ رہبری زدہ گام — کردئی راہِ حق تحستہ نام
واں دگر علم شرع را حامل — در طریقت سالکِ کامل
کسب او گشتہ بر کمالِ اطلاق — شیخ اسحاق مرشد آفاق
واں دگر شیخ کامل و اکمل — وارث احمدی بہ علم و عمل
از دو عالم گزید عشق احد — عاشق پاکباز شیخ احمد

وان بہ خلق محمدی مشہور — لطف احمد از و نمود ظہور
شیخ با صد کمال روحانی — خود محمد، محمد ثانی
وان خلیل اللہ زمانہ خویش — فیض بخش توانگر و درویش
ذاکر ذکر حق بہ طور کلیم! — عارف وقت شیخ ابراہیم
وان دگر ہادی طریق ہدیٰ ۱۲۰۹ — رہنمائے جہانیاں بہ خدا
خلق را سبب نظیر مرشد و پیر — شیخ الاسلام پیر پاک ضمیر

واپسی بہ وطن بموجب ارشاد نبوی و قیام بغداد - حصول خرقہ مبارک حضرت غوث اعظم

آپ کے خلفا میں بہت سے مشاہیر عرب بھی ہیں مثلاً سید محمود مغربی۔ شیخ رجب چلپی متولی روضہ اطہر حضور سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم۔ جب آپ بموجب ارشاد نبوی واپس وطن ہوئے تو بدوران سفر بغداد شریف وارد ہوئے۔ روضہ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور مزار حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر حاضری دی۔ حضرت غوث اعظم نے اپنے صاحب سجادہ کو ایک شب بشارت دی کہ ہمارا خرقہ خاص مع خلافت نامہ شیخ سلیم ہندی کو مرحمت کر دو۔ جب صبح ہوئی تو سجادہ نشین صاحب موصوف نے وہ خرقہ مبارک و خلافت نامہ حضرت شیخ سلیم چشتی کے حوالہ کر دیا۔ آپ چند روز قیام کر کے فیوض و برکات حضرت غوث اعظم سے مستفیض ہو کر واپس ہندوستان ہوئے تو بغداد کے بدویوں کو حضرت غوث اعظم کا خرقہ لے کر جانا نہایت شاق گذرا۔ انھوں نے حضرت شیخ سلیم کو اثنائے راہ میں آکر روک لیا اور کہا کہ یہ خرقہ مبارک ہرگز نہیں لے جانے دیں گے وہ لوٹا دو —

ظہور کرامت

حضرت شیخ نے وہ خرقہ زیب تن کر رکھا تھا۔ وہ آپ نے اپنے

جسم میں سلب کر لیا - اور کہا کہ خرقہ مذکور اگر تمہیں ملے تو لے جاؤ - انھوں نے آپ کی تلاشی لی - مگر وہ خرقہ کہیں نظر نہ آیا بدوی حیران اور پریشان رہ گئے - اور آپ کی ولایت کے قائل ہو کر پشیمانی اور معذرت عرض کیا کہ بعید از الطاف نہ ہوگا اگر آپ اس خرقہ شریف کی زیارت آخر بار کرادیں - آپ نے قبول کیا - اور خرقہ شریف کی داہنی آستین - پھر بائیں - پھر گریبان - پھر دامن - پھر پورا خرقہ جسم پر نمودار ہو گیا -

آمد بہ ہندوستان بعد از حج و قیام مدینہ منورہ

بدوی آپ کے پاؤں پڑے - مرید ہوئے اور بہ اصرار آپ کو اپنا مہمان رکھا - چند دن وہاں رہ کر آپ واپس ہندوستان پہونچ گئے - اول پاک پٹن شریف پہونچے اور وہ خرقہ مبارک حضرت غوث اعظم کا اپنے جد اعلیٰ بابا فرید گنج شکرؒ کے صاحب سجادہ کے سپرد کر دیا - وہ خرقہ - یا - جبہ - سفید صوف کا ہے - اب تک خانقاہ دیوان فیض اللہ صاحب سجادہ نشین درگاہ کے پاس امانت ہے (بزمانہ حیات مولف جواہر فریدی بعہد جہانگیر بادشاہ) - پھر وہاں سے آپ بھدالی شریف آئے اور مسجد مخدوم شیخ زین العابدینؒ میں ڈھائی سال تک معتکف رہے ایکبار بادشاہ نے آپ کیلئے ایک خوان پر از مروارید تحفتہ بھیجا - مگر آپ نے لینے سے معذرت کی اور کہا کہ یہ طالبان دنیا کو دیدو -

اشعار تاریخ آمد بہ ہند ۹۷۱ھ

آپ کے واپس ہندوستان پہونچنے کی تاریخ اس مصرعہ میں نکلتی ہے -

ع - ماہ اوج شرف بہند آمد - (۹۷۱ھ -) ملا عبدالقادر بدایونی - اکبر بادشاہ کے امام اور نورتن کے ایک ممبر نے بھی آپ کی واپسی بہ ہندوستان از مدینہ کی تاریخ کے دو قطعے لکھکر ارسال کئے -

(۱)

شیخ الاسلام ولیِ کامل ، آن مسیحا نفس و خضر قدم
لامع از جبہۂ او نیّر ازل طالع از چہرۂ او- نورِ قدم
از مدینہ چو- سوئے ہند آمد ہمچو بادِ سحر از باغِ ارم
بشمر حرفے و مشمر حرفے بہر تاریخ زخیر المقدم

(۲)

شیخ اسلام مقتدائے انام رفع اللہ قدرہُ السّامی
از مدینہ چو سوئے ہند آمد آں ہدایت پناہیِ نامی
گیر حرفے و ترک کن حرفے بہر سالش ،۔ ز شیخ اسلامی

ملّا صاحب موصوف نے سنا کہ حضرت شیخ سلیم رح عربی میں بڑی دستگاہ رکھتے ہیں تو ایک خط زبان عربی میں لکھ کر حضرت کی خدمت میں بھیجا- انھوں نے اپنی تاریخ- منتخب التواریخ میں لکھا ہے کہ میں نے حضرت شیخ سلیم چشتی رح کی کرامت دیکھی کہ جاڑے کے موسم میں- فتحپور جیسے ٹھنڈے مقام میں- خاصہ کا کُرتا اور ململ کی چادر کے سوا- کچھ اور لباس نہ تھا- جلسہ کے دنوں میں دو مرتبہ غسل ہوتا تھا- رمضان کے روزے نہ ہے- غذا آدھا تربوز یا اس سے بھی کچھ کم (دربار اکبری)

حاضری اکبر بادشاہ بخدمت حضرت شیخ بہ آرزوئے ولادت فرزند

جب آپ بعد حج سیکری میں تشریف فرما ہوئے تو اسوقت دہلی کے تخت پر جلال الدین محمد اکبر بادشاہ پسر ہمایوں- رونق افروز تھا جس نے ہیموں بقال فتنہ گر وزیر عدلی شاہ کو جنگ سویم پانی پت میں شکست دی تھی اور وہ قتل ہو گیا پھر کردار کو

پہونچا تھا - اس وقت تک اکبر بادشاہ کے کوئی اولاد نہیں تھی - اکبر آرزوئے ولادت فرزند لے کر آستانۂ حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی پر بمقام اجمیر حاضر ہوا تھا - حضرت خواجہ صاحب نے عالم مثال میں اکبر سے فرمایا کہ "شیخ سلیم چشتی رح ہمارے خاندان سے ہیں اور وہ شیخ الہند ہیں - تم ان کے پاس سیکری جاؤ - وہاں سے تم اپنی مراد پاؤ گے - اس سے قبل اکبر پاک پٹن بھی گیا تھا اور وہاں کے صاحب سجادہ دیوان تاج الدین چشتی سے حصول فرزند کی استدعا کی تھی تو وہاں سے بھی یہی جواب ملا تھا کہ " سیکری میں ہمارے بھائی شیخ سلیم چشتی رح ہیں - ان سے تمہارے غمگین دل کو تسلی ہوگی " (جواہر فریدی) -

آپ کی دعا برائے ولادت فرزند اکبر بادشاہ

اکبر حضرت شیخ رح کی خدمت میں سیکری حاضر ہوا اور اپنا مدعا عرض کیا - آپ احوال باطنی معلوم کرنے کے لئے - مراقبہ میں چلے گئے اور پھر دعا مانگی - جو مستجاب ہوئی اور پھر آپ نے اکبر کو ولادت فرزند کی خوشخبری سنائی - اکبر کو دارالسلطنت آگرہ واپس آکر معلوم ہوا کہ اس کی ایک بیگم رانی جودھ بائی (دختر راجہ مالدیو - راجہ جودھپور مارواڑ - ہمشیرہ اودے سنگھ راجہ) حاملہ ہے تو اکبر نے بڑا جشن شادمانی منایا اور فوراً انتظام کیا کہ حاملہ رانی جودھ بائی کو آستانۂ مبارک حضرت شیخ علیہ الرحمہ پر بھیج دیا جائے تاکہ آپ ہی کے زیر سایہ ولادت پسر ولی عہد ہو -

ولادت شاہزادہ سلیم جہانگیر اور تعمیر رنگ محل و بدیع محل در فتحپور

چنانچہ آناً فاناً ایک بڑا وسیع عظیم الشان محل سنگ سرخ کا تعمیر کیا گیا - اس محل کے دو حصے تھے - رنگ محل اور بدیع محل محلات کے جنوب میں شاہی ڈیوڑھی موسوم بہ چوک جسمیں چار بڑے اونچے دروازے چاروں سمت میں محراب دار تھے - جہاں نقارے اور چوکیاں تھیں

جو ابتک افتادہ حالت میں ہے چنانچہ اسی محل کے حصہ بدیع محل میں ۔شاہزادہ پیدا ہوا ۔اور حضرت شیخ کی خوشخبری سچی ہوئی ۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے کیا؟ روحانی طاقت کا"
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
(علامہ اقبال سے معذرت کے ساتھ)

اللہ عباداً - اذا ارادوا - ارادا - (حدیث شریف)

اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں کہ جب وہ کوئی ارادہ کرتے ہیں تو اللہ بھی ارادہ کر لیتا ہے۔

سچ ہے :- مردانِ خدا - خدا نہ باشند
لیکن ز خدا جدا نہ باشند

اس محل کا حصہ بدیع محل بہت بڑا تھا یہ محل کی زنانی ڈیوڑھی تھی اس کا صدر دروازہ بہت بلند تھا - اس کے اوپر گنبد تھے - اور برج تھے - اور اندر نہایت بلند دالان تھے - اس کے صحن میں وہ جگہ اب تک نمایاں ہے - جہاں جہانگیر کا نال (نافت بریدہ) گڑا تھا - اس جگہ ایک گول بڑا پتھر کا پھول فرش صحن پہ بنا ہوا ہے، ابتک موجود ہے اس محل میں ایک برکھا یعنی پانی کا کنواں بھی تھا جو پہاڑ کے اور زمین کھود کر بنایا گیا تھا کسی اور محل میں بشمول محلات شاہی اکبر - کہیں برکھا - نہیں بنایا گیا - یہ بدیع محل آستانہ حضرت شیخ سے ملا ہوا ہے اور رنگ محل وہ حصہ ہے جو مسجد جامع کے قرب سے ہے مگر وہ دیکھنے سے محل کا مردانہ حصہ معلوم ہوتا ہے - بدیع محل کو غلطی سے مولف آثار اکبری (مولوی سعید احمد مارہروی) نے محل تعمیر کردہ حضرت شیخ حاجی حسین خلیفہ (متولی حضرت شیخ سلیم چشتی رح لکھ دیا ہے جو غلط ہے - یہ

غلطی اس لئے ہوئی کہ اس بدیع محل پر قبضہ و سکونت شیخ حاجی حسین رح اور ان کی اولاد کی رہی - اور رنگ محل پر قبضہ و سکونت خاندان حضرت شیخ رح کی رہی جب اکبر نے فتحپور سیکری کو اپنا دارالحکومت بناکر یہاں سکونت اختیار کی تو محلات شاہی جامع مسجد کے جانب پورب اوتر تعمیر ہوئے اور سب سے بڑا محل وہاں اسما جودہ بائی مادر جہانگیر ملقب بہ مریم الزمانی بیگم کے لئے بنایا گیا اور یہ رنگ محل اور بدیع محل متروکہ حضرت شیخ سلیم چشتی رح کے حوالے کر دئے گئے - بدیع محل میں جہاں جہانگیر کا نال گڑا ہے اس کے متعلق ایک خاندانی روایت یہ چلی آتی ہے کہ اسجگہ نال کے ساتھ ساتھ ہیرے لعل - زمرد اور جواہرات بھی رکھے گئے ہیں - جیسا کہ بالعموم رواج ہے کہ جب کسی بچہ کا نال زمین میں گاڑا جاتا ہے تو اس کے ساتھ کچھ رقم بھی رکھی جاتی ہے چنانچہ کسی زمانہ میں عورات ساکنان بدیع محل نے یہ دیکھنے کے لئے کہ آیا واقعی نال کے ساتھ ہیرے جواہرات گڑے ہیں یا نہیں صحن میں فرش کے پھول کو اوکھاڑکر زمین کھودنی چاہی تو کھودنے والوں کے ہاتھ زمین سے پیوست ہوکر رہ گئے - جب انھوں نے توبہ کی کہ اب نہیں کھودیں گے تو ہاتھ چھوٹ گئے - اور وہ جگہ بدستور کر کے وہ پھول فرش صحن پر اسی جگہ جیسا تھا ویسا ہی رہنے دیا گیا - بدیع محل کو چونکہ اسمیں آبادی کی وجہ سے اصلی ہیئت برقرار نہیں رہی تھی اور اس میں آبادی تھی - اس لئے اسکو آثار قدیمہ کے محکمہ نے اپنے قبضہ میں نہیں لیا - ۱۹۰۵ء میں رنگ محل کا آخری حصہ جو بدستور سابق برقرار تھا اس کو محکمہ نے اپنے تصرف میں لے کر محفوظ کر دیا ہے۔

کیفیت پیدائش جہانگیر کا حال جہانگیر کی زبانی نوشتہ توزک جہانگیری

چہارشنبہ ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ کو جہانگیر پیدا ہوا۔ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے اپنے نام پر شاہزادے کا نام

محمد سلیم رکھا۔ جہانگیر نے اپنی خود نوشت سوانح عمری تزک جہانگیری میں حضرت شیخ رح اور اپنی پیدائش کے متعلق لکھا ہے کہ "میرے والد کے ۲۸ سال کی عمر تک کوئی بیٹا زندہ نہیں رہا تھا۔ ہمیشہ بیٹوں کی بقائے زیست کے لئے درویشوں اور بزرگانِ گوشہ نشین سے کہ انکو بارگاہِ الٰہی میں قرب روحانی حاصل ہوتا ہے۔ التجا کیا کرتے تھے۔ چونکہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح اکثر اولیائے ہند کے سرچشمہ ہیں لہٰذا ارادہ کیا کہ اس مراد کے حصول کے لئے ان کے آستانہ متبرک سے رجوع کریں اور یہ اقرار کیا کہ اگر اللہ تعالےٰ مجھے بیٹا عنایت کریں تو میں آگرہ سے روضہ خواجہ صاحب (اجمیر) تک ایکسو چالیس کوس کے فاصلہ پر ہے۔ پا پیادہ چلکر۔ نیاز کے لئے حاضری دونگا۔ ان ایام میں کہ میرے والد اپنے بیٹا ہونے کی تمنا پوری ہونے کے جویا تھے ایک صاحب حالت درویش شیخ سلیم رح نام جو بہت سے مراحل عمر کے طے کر چکے تھے آگرہ کے مواضع میں سے ایک موضع سیکری سے متصل ایک پہاڑ میں استقامت پذیر تھے۔ اور اس نواح کے لوگ ان حضرت شیخ رح کے بہت معتقد تھے۔ چونکہ میرے والد درویشوں کے نیازمند تھے۔ ان بزرگ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت شیخ سے توجہ اور بے خودی کے اثنا میں درخواست کی کہ میرے بیٹا پیدا ہو آپ نے فرمایا "کہ بے منت بخشنے والا تمہیں تین بیٹے عنایت کرے گا" میرے والد نے کہا کہ میں نے نذر مانی کہ پہلے بیٹے کو آپ ہی کی توجہ اور تربیت کے دامن میں ڈالدونگا اور آپ ہی کی شفقت اور عنایت اسکی حامی اور حافظ ہوگی۔ حضرت شیخ نے اس بات کو قبول کیا اور اپنی زبان سے فرمایا کہ مبارک باشد ہم نے بھی اسکو اپنا ہمنام کیا۔ جب میری والدہ کا وضع حمل کا وقت قریب آیا تو انھیں حضرت شیخ رح

کے گھر بھیجدیا کہ میری پیدائش اسی جگہ چار شنبہ ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ کو ہوئی۔ میرا نام سلطان سلیم رکھا لیکن میں نے اپنے پدر مبارک سے عالم ہوشیاری یا عالم مستی میں یہ نہیں سنا کہ انھوں نے مجھے محمد سلیم یا سلطان سلیم سے مخاطب کیا ہو۔ ہمہ وقت شیخو بابا۔ کہکر بات کیا کرتے تھے۔ میرے والد نے میری جائے ولادت موضع سیکری کو مبارک جان کر اپنا پائے تخت بنا لیا۔ اور ماہ ربیع الاول ۹۷۷ھ کو ایک شہر کی بنیاد رکھی اور چودہ۔ پندرہ سال کے عرصہ میں اس پہاڑ اور جنگل میں جو درندے جانوروں سے بھرا ہوا تھا۔ ایک شہر تیار ہوگیا۔ حصار شہر میں قسم قسم کے باغات۔ مسجدیں اور عمارات نفیس اور محلات عظیم الشان سنگ سرخ سے بنے ہوئے اور عمدہ اور دل کشا مقامات موجود ہوگئے فتح گجرات (کاٹھیاواڑ) کے بعد اس سیکری کا نام فتح پور موسوم ہوا۔ جب میں بادشاہ ہوا تو میں نے اپنا نام نور الدین اور لقب جہانگیر رکھا۔

(ترجمہ از توزک)

فتحپور سیکری کے گرد قلعہ کا حصار شہر یعنی شہر پناہ کی دیوار ہے۔ ایک جانب سمت مغرب شہر پناہ نہیں ہے کہ اسطرف اکبر نے ایک مصنوعی جھیل ایک دریا کے بند باندھ کر کئی میل لمبی چوڑی بنائی تھی اور وہ حصار کا کام دیتی تھی اس شہر پناہ میں نو دروازے ہیں۔ جو بڑے بلند و کشادہ ہیں۔ ایک ہاتھی معہ عماری کے اس میں سے گذر جاتا ہے۔ قریباً ۱۸ سال بعد آگرہ کا موجودہ قلعہ سنگ سرخ کا تعمیر ہونے کے بعد جو خام قلعہ کی جگہ بنایا گیا ہے۔ اکبر نے فتحپور سیکری سے دار الحکومت پھر آگرہ کو منتقل کر دیا۔ جسکی وجہ یہ تھی کہ

یہاں پہاڑ پر پانی کمیاب تھا اور پانی بھی خراب تھا۔ جہانگیر نے توزک میں لکھا کہ فتح پور کم آب است و بد آب " (فتحپور میں پانی کی کمی ہے اور پانی خراب ہے) اکبر نے بعد پیدائش پسر ولی عہد اپنے اقرار کے بموجب آگرہ سے (فتحپور اس وقت تک وجود میں نہیں آیا تھا) اجمیر تک پیدل سفر کیا۔ ہر پڑاؤ کی منزل پر ایک مینارہ بناتا ہوا گیا۔ چنانچہ یہ مینارے آگرہ سے فتحپور سیکری ہوتے ہوئے اجمیر تک بنے ہوئے ابتک باقی ہیں۔ ایک مینارہ خاص شہر آمیر (حال جے پور راجپوتانہ) میں بھی موجود ہے۔ ان میناروں کا نام ہرن منارا بھی ہے۔

تعمیر خانقاہ حضرت شیخ و جامع مسجد محلات شاہی

اکبر نے حضرت شیخ علیہ الرحمہ کے لئے ایک عمدہ مکان اور عالی خانقاہ بنوائی۔ خانقاہ کی تعمیر کی تاریخ۔ خانقاہ اکبر ۹۸۰ھ نکلتی ہے۔

حضرت شیخ رح کے بتلائے ہوئے نقشے کے مطابق۔ متصل مکان و خانقاہ ایک عظیم الشان اور نادر جامع مسجد پہاڑ پر بنوائی اور اس مقام کو مبارک سمجھ کر اپنا دار السلطنت بنا لیا۔ دہلی اور آگرہ چھوڑ دیا اور اسی پہاڑ پر جامع مسجد کے متصل جانب مشرق و شمال شہر شاہی تعمیر کیا جس میں اکبر کے خاص محلات اور بیگمات کے خوبصورت محلات۔ مسلم بیگمات کے الگ اور غیر مسلم بیگمات کے الگ درمیان میں دیوار پردہ۔ خوابگاہ۔ دیوان خاص۔ دیوان عام۔ ہوا محل حوض۔ چمن۔ تالاب۔ پائیں باغ۔ دفاتر۔ ٹکسال۔ عبادت خانہ، دار المناظرہ جملہ نورتن وزرا اور حکما کے مکانات۔ فیل خانہ۔ طویلہ۔ خزانہ۔ جوش خانہ وغیرہ بنوالئے جو سب پہاڑی پر بنے ہوئے ایک میل تک آگرہ دروازے تک

چلے گئے ہیں۔ محلات شاہی کا دروازہ اسمی ہتیا پول دروازہ ہے جس کے ہردو جانب دو ہاتھی سنگ سرخ کے بنے ہیں۔ شاہی محلات اب تک بدستور موجود ہیں۔ وزرا وغیرہ کے مکانات گر گرا گئے ہیں کچھ کے آثار باقی ہیں۔ ابوالفضل کا مکان جو متصل درگاہ جانب جنوب ہے سالم ہے۔ پہاڑ کے نیچے عام آبادی کا شہر ہے۔ سات میل کے دور میں شہر پناہ کی دیوار ہے۔ صرف جامع مسجد کی تعمیر پر حسب بیان فارسی قلمی کتاب اس عہد کے سات لاکھ گیارہ ہزار دوسو پچاس روپیہ صرف ہوئے تھے۔ اس صرفہ کے علاوہ جامع مسجد کا بلند دروازہ بعد کو بہ صرف زر کثیر بنایا گیا۔ جو اتنا اونچا اور رفیع الشان ہے کہ دنیا میں اس کے مقابل کا اتنا اونچا اور کوئی دروازہ نہیں ہے یہ مسجد جامع ۹۷۹ھ میں اور بلند دروازہ مسجد ۹۸۵ھ میں تعمیر ہوا تھا۔ جب اکبر کو چتوڑ اور گجرات میں فتح حاصل ہوئی تھی۔ اس دروازہ پر چھ لاکھ روپیہ صرف ہوئے تھے مسجد جامع سات سال کی مدت میں تکمیل ہوئی تھی۔ سنگ سرخ اور سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔ صحن مسجد میں شمالی گوشہ میں حضرت شیخ سلیم چشتی رح کا روضہ ہے مسجد کے اس بڑے دروازہ پر جو محراب و ممبر کے سامنے ہے۔ تعمیر مسجد کی تاریخ مندرجہ ذیل ثبت ہے:۔

(۱) درزمان شہ جہان اکبر — کہ ازو ملک را انتظام آمد
شیخ اسلام مسجدے آراست — کز صفا کعبہ احترام آمد
سال اتمام این بنائے رفیع — ثانی المسجد الحرام آمد ۹۷۹ھ

ملا عبدالقادر بدایونی وزیر دا نام اکبر نے تاریخ ذیل لکھی۔

(۲) هٰذِہٖ البقع قبۃ الاسلام — رفع اللّٰہ قدر بانیہا
قال روح الامین تاریخاً — لا یُریٰ فی البلاد ثانیہا

۳ دوسرا مصرعہ تاریخ ہے

ع ، بیعت معمورہ آمدہ از آسماں -

ایک مشہور شاعر ایران قاسم ارسلان جب اکبری دربار میں آیا اور اُس نے فتحپور سیکری کے محلات اور قلعہ آگرہ کے نئے تعمیر شدہ محلات دیکھے تو ان کی تعریف میں قطعہ لکھا -

تمام شد دو عمارت بشانِ خلد بریں — بہ دورِ دولتِ صاحبقرانِ ہفت اقلیم
یکے بہ بلدۂ دارالخلافۂ آگرہ — دگر بہ خطۂ سیکری مقامِ شیخ سلیم
سپہر از پئے تاریخ ایں دو عالی قصر — رقم زدہ دو بہشت بریں ربہ کلکِ قدیم

فتح پور سیکری کی عمارت سے مراد جامع مسجد فتحپور سیکری کا ہے جو ۹۷۹ھ میں تعمیر ہوئی - اور آگرہ کی عمارت سے مراد قلعہ آگرہ میں وہ محل ہے جو بنگالی محل کے نام سے مشہور ہے -

ایک دوسرے ایرانی شاعر نے جسکا نام نہیں لکھا - فتحپور سیکری کے محلات اور جامع مسجد اور روضہ وغیرہ کی تعریف میں مندرجہ ذیل اشعار کہے تھے -

خوشا کوہِ فرخندۂ فتح پور — کہ پیدا است از وے تجلیِ طور
منازل بر آں کوہ پیدا سرشت — چو بر آسماں خانہائے بہشت
ہمہ خانہا - روشن و دل پذیر — چو دل ہائے پیرانِ روشن ضمیر

جامع مسجد کی تعریف ایک انگریز مورخ مسٹر ایچ ایم ایلیٹ نے اپنی

تاریخ موسومہ "تاریخ ہند اس کے مورخوں کی زبانی" میں ان الفاظ میں لکھی ہے۔
کہ یہ مسجد اتنی خوبصورت ہے کہ اس زمانہ میں دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتی ۔

A fine mosque - at the present day has
no equal in the world.

اتنی طویل و عریض اور وسیع ۔ مسجد پہاڑ کی چوٹی پر مصنوعی سطح زمین تیار و
ہموار کر کے تعمیر کی گئی ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے ۔ مسجد کا مرکزی گنبد بہت
ہی وسیع اور بلند ہے ۔ اس گنبد کے داہنے بائیں دو گنبد اور ہیں جو کسی قدر بڑے
گنبد سے کم ہیں ۔ مسجد کے سات درجے ہیں ۔ درمیانی درجہ سنگ مرمر کا ۔ بڑے
گنبد کے نیچے ہے اور تین تین درجے داہنے بائیں ہیں ۔ وہ بھی تین تین دالان در
دالانوں کے درجوں کے ہیں ۔ ہر درجہ کی مغربی دیواروں میں سنگ مرمر و سنگ موسی
کے پھول سنگ سرخ کی دیواروں میں جڑے ہیں اور مرکزی درجہ میں جہاں محراب
ممبر ہے وہاں نقش و نگار پچیکاری اور منبت کاری قابل دید ہے ۔ مصلے کی
دیوار پر سورۃ بقر ۔ پارہ ۲۵ ۔ رکوع ۱۷ ۔ ۱۸ کی آیت قد نری تقلب ۔ تا کافرون
آب زر سے اودے رنگ کی تختی پر لکھی ہوئی جگ مگ جگ مگ کرتی رہتی ہے
عام فرش مسجد سے ۔ روضہ شیخ رحمہ اللہ کے پاس فرش مسجد ۔ قریب ۶ انچہ بلند ہے
اور پھر اسپر جو مسجد کے درجے ہیں وہ سطح فرش سے بقدر ½ گز اونچے ہیں ان
درجوں میں بڑے بڑے محراب دار کمانی نما دالان میں جیسا اوپر بیان ہوا ہے مسجد کے
آخر میں ہر دو جانب شمال اور جنوب بالائی حصے مستورات کی نماز کے لئے بنے ہوئے
ہیں ۔

مسجد اور روضہ کی تعریف اور تفصیل جہانگیر بادشاہ کی زبانی تورک جہانگیری میں

تورک جہانگیری میں جہانگیر نے اس جامع مسجد اور روضہ حضرت شیخ رح کا جو حال تحریر کیا ہے۔ وہ درج ذیل کیا جاتا ہے
"عہد خلافت عرش آشیانی (اکبری) میں جو نہایت ہی عظیم نشانیاں ظاہر ہوئیں۔ ان میں سے یہ مسجد اور روضہ ہے۔ جو بلا مبالغہ نہایت ہی عالی تمکین اور دقیع ہے۔ کہ اس مسجد اور روضہ کا مثل کسی ملک میں بھی نہیں ہے۔ مسجد کی تمام عمارت سنگ سرخ کی ہے۔ نہایت مصفیٰ۔ مقبرہ اور روضہ حضرت شیخ رح اور اسکا صحن سنگ مرمر کا ہے اور مسجد کا سطحی صحن بھی سنگ مرمر کا ہے۔ خزانہ عامرہ سے پانچ لاکھ روپیہ صرف ہوئے تھے اس رقم کے علاوہ اسکو تکمیل کو پہنچانے میں نواب قطب الدین خاں کوکلتاش (حضرت شیخ سلیم چشتی کے نواسے۔ جہانگیر کے رضاعی بھائی اور اتالیق۔ گورنر بنگال) نے صرف کثیر کیا تھا۔ مسجد کا پیش طاق اور صحن وغیرہ اور روضہ کا محجر اور مدور (یعنی گیلری یا غلام گردش۔ یا چوکھنڈی) فرش اور گنبد سنگ مرمر کا بنوایا تھا۔ جامع مشتمل ہے دو صدر دروازوں پر۔ بڑا دروازہ موسومہ بلند دروازہ جانب جنوب ہے اور نہایت ہی بلند اور پرتکلف ہے۔ پیش طاق کا عرض بارہ درع (گز) اور طول سولہ درع اور باون درع بلندی ہے۔ منزل بمنزل۔ الگ الگ بتیس بتیس زینوں سے چڑھکر اس دروازہ کے اوپر کو جانا پڑتا ہے۔ ہر زینہ میں متعدد سیڑھیاں ہیں۔ اس بلند دروازہ سے چھوٹا دروازہ مشرق کی طرف ہے (موسومہ بادشاہی دروازہ) مسجد کا طول مشرق سے مغرب مع دیواروں کے عرض کے۔ دو سو بارہ درع ہے اور منجملہ ان کے ساڑھے پچیس درع اور ہے۔ پندرہ ۱۵ در پندرہ ۱۵ درع گنبد

مغربی حصہ جامع مسجد (اندرونی) فتحپور سیکری
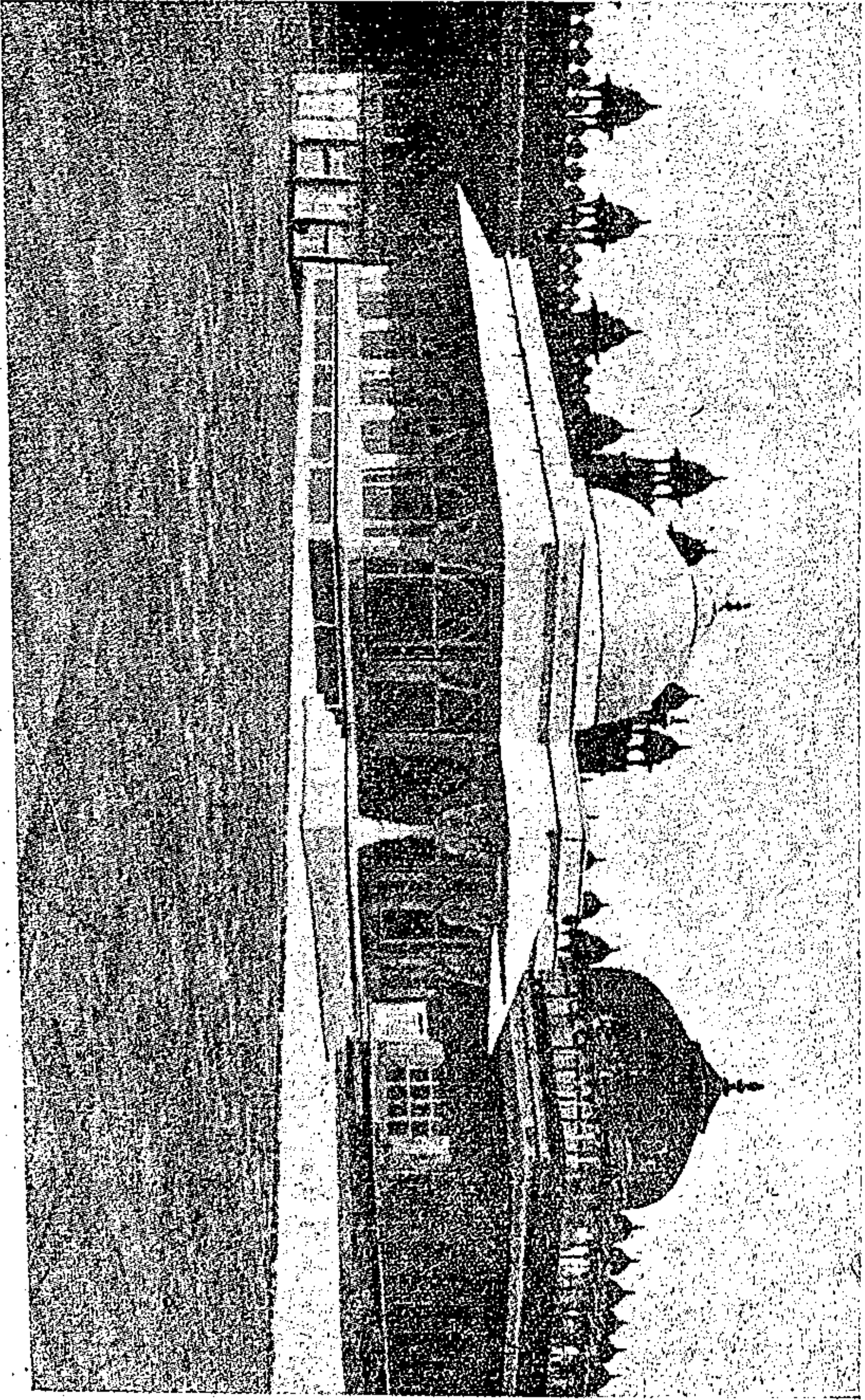
(۱) گنبد نواب جی و محجر حاجی حسین (۲) روضه و گنبد حضرت شیخ سلیم چشتی

درمیان میں ایک اور سات درع عرض اور چودہ درع طول۔ اور چھبیس درع اونچائی کا پیش طاق ہے۔ اور اس بڑے بڑے گنبد کے دونوں پہلوؤں میں دو۔ دو گنبد چھوٹے اور ہیں اور دس درع در دس درع تتمہ کے طور پہ ایوان ستونوں دار بنائے ہیں۔ مسجد کا عرض شمال سے جنوب کو ایک سو بہتر درع ہے اور مسجد کے صحن کے ہر چہار جانب نوے ایوان اور بڑے بڑے دالان محراب دار کمانی نما) مع چوراسی حجروں کے (ہر ایوان میں ایک ایک حجرہ قریب قریب ہے) ہیں۔ ہر حجرہ کا عرض چار درع اور طول پانچ درع ہے اور ہر دالان کا عرض ساڑھے سات درع ہے۔ اور مسجد کا صحن سوائے مقصورہ و ایوان اور دروازوں کے ایک سو انہتر درع طول اور ایک سو تینتالیس درع عرض ہے (ایک درع قریب قریب ایک گز کے برابر ہوتا ہے) اور ایوانوں اور دروازوں اور مسجد کے بالائی حصوں میں چھوٹے چھوٹے گنبد ہیں۔ (یہ گمزیاں ۱۳۷ ہیں شمال ۲۶۔ مشرق ۲۹ جنوب ۳۵۔ مغرب ۴۷ + ہر گمزی کے نیچے قد آدم مربع نشست ۳ فٹ ۱۱ انچ کی ہے) ایام عرس میں اور نیز دیگر متبرک راتوں میں ان گمزیوں میں شمع بیچ میں رکھ کر باہر کی طرف سے گمزیوں کو چوطرفہ رنگ برنگ کے جالی دار کپڑوں سے منڈھ دیتے ہیں تو فانوس کا عالم خوش منظر نظر آتا ہے۔ اور اسی طرح چاروں جانب کے بڑے دالانوں کی محرابوں میں بھی قندیلیں روشن کرکے لٹکائی جاتی ہیں۔ مسجد کے

حضرت شیخ کے روضہ کی چھت کا متبرک بارش کا پانی اور برکھا

صحن کے ایک حصہ میں مشرق کی طرف ایک برکھا (کنواں) بنایا ہے جس میں بارش کا پانی بھرا رہتا ہے (یہ پانی حضرت شیخ رح کے روضہ کی چھت اور گنبد سے روضہ کی برساتی کے دونوں سنگ مر

کے اندر سے پولے ستونوں میں سے گذر کر زیر فرش نالی میں سے ہوکر یہاں پہونچتا ہے) چونکہ فتحپور میں پانی کی کمی ہے اور پانی خراب ہے - لہٰذا یہ بارش کا پانی اہل سلسلہ اور درویشوں کے لئے جو اس مسجد سے وابستہ رہتے ہیں تمام سال کے لئے کافی ہوتا ہے ۔"

"بلند دروازے کے مقابل جانب شمال صحن مسجد کے قریب قریب وسط میں ایک گوشہ میں حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کا مزار ہے - جو ایک گنبد کے درمیان ہے - یہ گنبد ساتت درع ہے - گنبد اور اسکا دور اور فرش) اور سامنے کا صحن سنگ مرمر کا ہے مزار حضرت شیخؒ کے گرد کے چاروں طرف سنگ مرمر کا حلقہ دار حجرہ (غلام گردش یا چوکھنڈی) بنایا گیا ہے جس کی دیواریں چاروں طرف سنگ مرمر کی تراشی ہوئی مختلف نمونہ کی جالیوں کی ہیں جن میں بے غایت تکلف کیا گیا ہے ۔"

"اس روضہ کے برابر (متوازی) داہنی جانب (مشرق کو) تھوڑے سے فصل پر دوسرا بڑا گنبد ہے کہ اس میں حضرت شیخ سلیمؒ کے بیٹے اور اہل خاندان آسودہ ہیں - یعنی قطب الدین خاں کوکہ (نواسے حضرت شیخؒ گورنر بنگال) اور اسلام خاں (پوتے حضرت شیخؒ اصل نام شیخ علاءالدین) اور معظم خاں (پسر نواب اسلام خاں) وغیرہ کہ یہ سب اسی سلسلہ کی نسبت اور حقوق اور مراعات کی وجہ سے امارت اور عالی مرتبوں پر پہونچے ہیں - اُن کا ہر ایک کا حال علیحدہ لکھا گیا ہے ۔"
(از توزک جہانگیری)

گنبد نواب جی مقبرہ نواب قطب الدین خاں و نواب اسلام خاں وغیرہ کا تذکرہ توزک میں

اس بڑے گنبد میں جو نواب جی کے گنبد کے نام سے موسوم ہے علاوہ
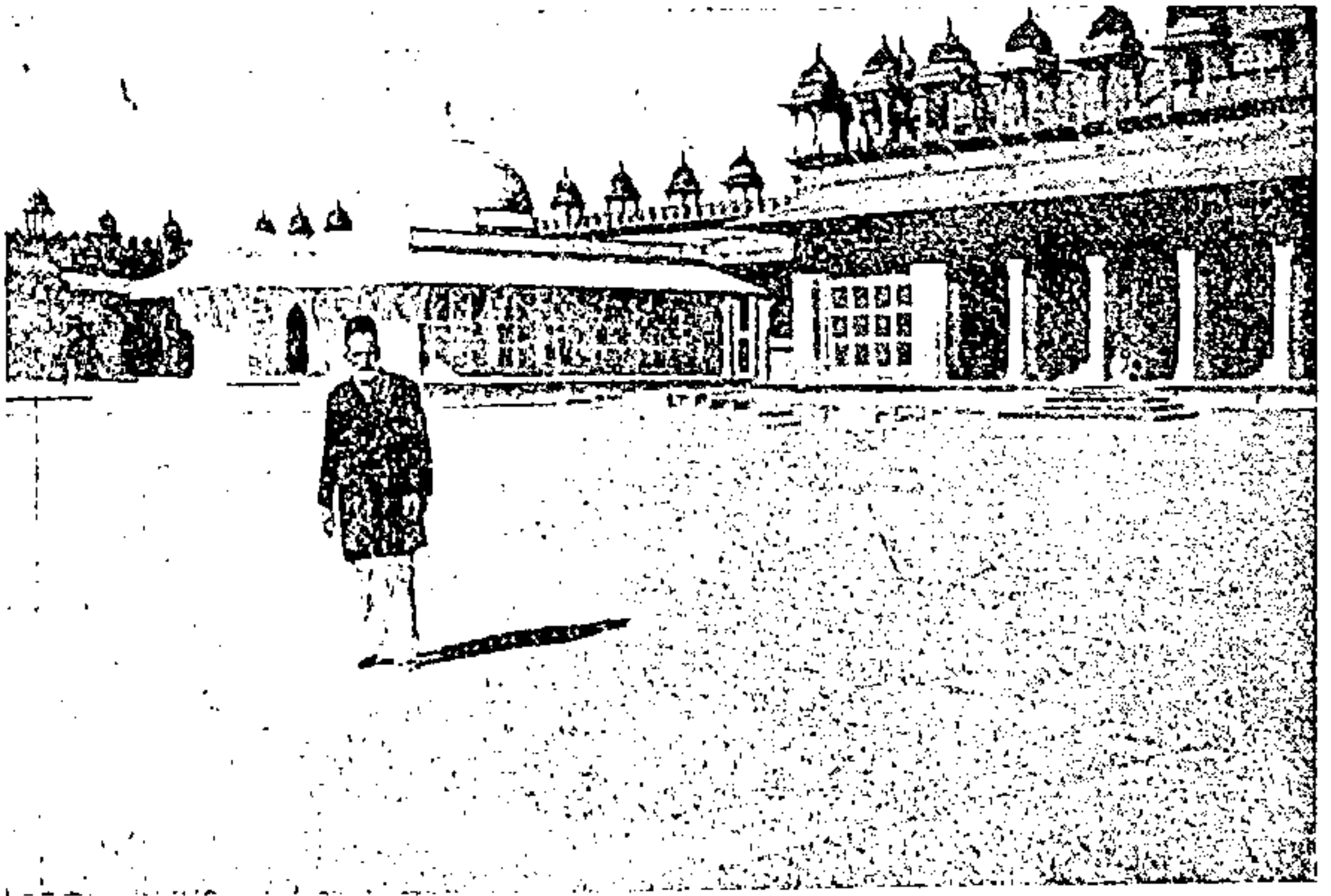
(۱) محجر مقبرہ حضرت حاجی حسین
(۲) روضہ حضرت شیخ سلیم چشتی
(۳) شیخ ریاض احمد چشتی متولی

(۱) لحد مولوی اختر عادل مرحوم
(۲) مسٹر اکبر عادل (پسر مرحوم) کھڑے ہوئے

نواب قطب الدین خاں کوکلتاش گورنر بنگال اور نواب اسلام خاں گورنر بنگال بہار اور اوڑلیسہ کے اور بھی اُن کی اولاد اور خاندان والوں کے مزارات ہیں مثلاً نواب محتشم خاں (برادر نواب اسلام خاں اصل نام شیخ قاسم) و نواب اکرام خاں (اصل نام شیخ فضل اللہ پسر نواب اسلام خاں) و نواب معظم خاں (اصل نام شیخ معظم پسر ثانی نواب اسلام خاں) و نواب مکرم خاں (اصل نام شیخ مکرم پسر نواب معظم خاں) اس گنبد کے مقبرے کے بڑے ایوان (ہال) کے باہر برآمدہ کے دالان میں گوشہ مغرب میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ کے روضہ کے متوازی محاذ میں۔

روضہ شیخ حاجی حسین رح امیر قافلہ متولی درگاہ برآمدہ کے دالان گنبد نواب جی میں ہے

حضرت شیخ حاجی حسین رح کا روضہ ہے جو جالی دار سنگ سرخ و سپید کا ہے۔ یہ حضرت شیخ سلیم چشتی رح کے مقرب خاص۔ محرم راز خلیفہ اور متولی تھے۔ نیز جناب شیخ رح کے ماموں اور نواب اسلام خاں کے خسر تھے۔ حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی آخرہ عثمانی رح حضرت حاجی حسین کی بہن تھیں۔ اُن کا لقب شیخ امیر قافلہ تھا۔ نواب اسلام خاں۔ پوتے اور سجادہ نشین حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کی دختر بی بی راشدہ بیاہی تھیں جن کے بطن سے ان کے بیٹے شیخ فضل اللہ ملقب بہ نواب اکرام خاں عرف مرزا ہوشنگ پیدا ہوئے تھے یہ نام مرزا ہوشنگ اور لقب جہانگیر بادشاہ نے دیا تھا۔ صوبہ آگرہ کے ناظم تھے۔ نواب اسلام خاں کی ایک زوجہ خورشید بانو عرف لاڈلی بیگم دختر شیخ ابوالفضل وزیر و نورتن اکبر بھی تھیں مگر اس بی بی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ حضرت شیخ حاجی حسین رح اور حضرت بی بی آخرہ رح والدہ حضرت شیخ رح۔ ملک العلما۔ قاضی ابومسلم رح پاک ٹینی کی اولاد میں ہیں۔ انہی

قاضی ابو مسلم ملک العلما کی دختر حضرت بی بی ملکو عثمانی حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے بیٹے اور صاحب سجادہ حضرت شیخ بدرالدین سلیمانؒ کی زوجہ شریفہ تھیں۔ جن کے بطن سے شیخ علاء الدین موج دریاؒ سجادہ نشین اور تین دیگر بیٹے شیخ محمود۔ شیخ تاج الدین سرور اور شیخ محمد رشید۔ تھے۔ شیخ حاجی حسینؒ کے دروازہ مزار پر تاریخ وفات کے اشعار ابھرے ہوئے سنگین حروف میں درج ہیں۔ دربار اکبری میں شمس العلما محمد حسین آزاد نے آپ کے بارے میں لکھا ہے "بڑے بڑے مشائخ کبار حضرت شیخ سلیم چشتیؒ سے فیض پاکر درجہ تکمیل کو پہونچے۔ ان میں سے شیخ حاجی حسینؒ خادم بہترین خلفا۔ صدر نشین اور خانقاہ فتح پور سیکری کے صاحب اہتمام اور با اختیار تھے۔

حضرت حاجی حسینؒ کے محرم راز حضرت شیخ سلیم چشتیؒ ہونے کا ایک نمایاں ثبوت یہ ہے کہ ہر دو بزرگان کی قبروں کے تعویذ سنگ مرمر کے شق ہو کر ایک آڑی لکیر نیچے سے اوپر تک چلی گئی ہے اور یہ ہر دو لکیریں یکساں صورت کی ہیں اور یکساں مقام شق ہونے کا ہے۔

(تاریخ)

قطعہ تاریخ	شیخ امیر قافلہ حاجی حسین۔ آنکہ	بود شن تمتعے ز حج و عمرہ۔ جاوداں
مزار حضرت	چوں در صفا و مروہ و عمرش نماند سعی	رحمت کشید جانب مقصود۔ را یگان
حاجی حسینؒ	سال وصالش اہل مناسک رقم زدند	بہر طواف کعبہ مقصود شد۔ بجاں

اسی گنبد نواب جی کے دالان میں اور دالان کے نیچے صحن میں حضرت حاجی حسینؒ کی اولاد والوں کی قبریں ہیں۔ دالان میں دو قبروں پر نام و تاریخ پڑھنے میں آتا ہے۔ شیخ جیونؒ اور شیخ یعقوب بن شیخ مصطفیٰ۔ جو حضرت کے پوتوں میں ہیں۔ دالان کی سیڑھیوں کے نیچے صحن میں ایک اور پوتے شیخ بشارت علی متولی کی قبر معہ چوکنڈی کے سنگ مرمر کی ہے۔

نام و تاریخ وفات درج ہے یہ سنگ مرمر کی قبر گورنمنٹ انگریزی نے تعمیر کرائی تھی جسکو سو سال سے زائد ہوئے شیخ بشارت علی کے دو بیٹوں شیخ امداد حسین اور شیخ حشمت علی اور ان کے پوتے شیخ اشرف علی والدم اور عموی شیخ مشتاق علی کی قبروں پر سنگ مرمر کی لوح مزار پہ تاریخ وفات ثبت ہیں شیخ اشرف علی مرحوم کی قبر پہ یہ تاریخ وفات کندہ ہے۔

بہ یادِ خدا شیخ اشرف علی — تہِ خاک در گور خلوت گرفت

بسال وصالش ندا شد ز غیب — کہ بادین و ایماں بہ جنت برفت

اس تنگ صحن میں آس پاس سب قبریں اولاد حاجی حسین رح کی ہیں۔ جون ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان کی تقسیم ہو کر پاکستان قائم ہو رہا تھا تو پسر م غفار احمد کا انتقال آغاز شباب میں ہوا۔ لوح سنگ مرمر پہ تاریخ وفات کندہ ہے۔ منجملہ دیگر تاریخی مادوں کے۔ ذیل کا شعر نیچ کا درج کیا جاتا ہے۔

سالِ نقلش با تمامی ضمنِ بشنو از سراج — سن ۱۳۶۵ھ

گفت۔ روزِ شنبہ و بست و یکم ماہِ رجب — مطابق سن ۱۹۴۶ء

راقم اولاد حضرت شیخ حاجی حسین رح سے ہے۔

سب سے آخر قبر اگست ۱۹۶۰ء میں برادرم شیخ ریاض احمد چشتی کی بنی ہے بوجہ ہجرت۔ پاکستان سب خاندان فتحپور سے ترک سکونت کر کے چلا آیا۔ اور یہ سلسلہ تدفین بدرگاہ شیخ سلیم چشتی کا ختم ہو گیا۔

حضرت شیخ سلیم چشتی رحمتہ اللہ علیہ کا سفرِ آخرت

شیخ امداد حسین جد راقم جنکا ذکر اوپر کی سطور میں آیا ہے انکا تذکرہ صفحہ ۳۰۳ انگریزی کتاب "ہندوستان

اور اس کے مقامی بادشاہ نام ہیں۔ ٹونی ریسولٹ فرانسیسی سیاح نے ان تعریفی الفاظ میں کیا ہے کہ تاریخ میں انکو بڑا ملکہ ہے ان کے پاس ایک نادر قلمی کتاب جہانگیر کے زمانہ کی ہے جس میں اکبر کے حالات ہیں ۱۹۶۶ء میں میں نے ان کے ساتھ

حضرت شیخ سلیم چشتی کا سفر آخرت

ان محلات میں شب بسر کی آپ نے بعمر ۹۵ سال ۹۷۹ھ مطابق ۱۵۷۱ء سفر آخرت اختیار کیا۔ نماز جنازہ حاجی الحرمین ملا عبداللہ سلطانپوری قاضی القضاۃ۔ المخاطب بہ مخدوم الملک نے پڑھائی صدر الصدور حاجی الحرمین شیخ عبدالنبی اور اکبر بادشاہ خود معہ جملہ وزرا و امرا شریک نماز جنازہ تھے۔ اکبر جنازہ کا پایہ پکڑ کے کندھا دیتا ہوا چلا تھا۔ ۹۵ سال ہی کی عمر میں بابا فرید رح کا وصال ہوا تھا۔ آپ کی وفات کی تاریخ کے کئی مادے تحریر کئے گئے ہیں۔

(۱) "شیخ ما حی" (شیخ جو حیات ہیں) بمنشاء الاولیاء اللّٰہ لا یموتون (اولیاء اللہ نہیں مرتے)۔

(۲) "ز خود فانی بحق باقی" (اپنی ذات سے فنا ہو گئے ذات حق کے ساتھ باقی)

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

(۳) "شیخ ہندی"

(۴) تاریخ وفات شیخ اسلام۔ شیخ حکما و شیخ حکام ۹۷۹ھ

جب حضرت شیخ رح کا مقبرہ تیار ہوا تو روضہ کے صدر دروازہ پر جو سنگ مرمر کی برساتی کے اندر ہے، یہ قطعہ تاریخ ثبت ہوا ہے

مغیثِ ملت و پیر طریق شیخ سلیم — کہ در کرامت و قربت جنید و طیفور است
منور است از و شمع خانوادہ چشت — فرید گنج شکر را خلف تریں پور است
دو عین مباش ز خود فانی و بحق باقی (۹۷۹ھ) کہ سالِ رحلتش اندر زمانہ مشہور است

اس قطع کا چوتھا شعر اور ہے جو ثبت نہیں کیا گیا ہے۔

کسے کہ جرعہ کشِ بادۂ محبت اوست — ہزار کر دتہی خُم ۔ ہنوز معمور است

انتسویں شب ماہ رمضان المبارک کو آپ کا وصال ہوا۔ اسی تاریخ کو سالانہ عُرس کے موقعہ پر آپ کا قل ہوتا ہے، آپ کی قبر شریف صحن جامع مسجد کے شمالی گوشہ میں قریباً وسط صحن میں بنائی گئی۔ جب قبر کے لئے پہاڑ کی چوٹی پر کھدائی

عطائے خاکِ زمینِ مدینہ منورہ برائے قبر شریف حسب ارشاد نبوی ﷺ

کی جا رہی تھی تو حسن اتفاق سے پتھریلی چٹان میں ریتیلی مٹی برآمد ہوئی۔ حاضرین کو تعجب ہوا کہ چٹان میں ریت کہاں سے آئی تو بشارت حضرت سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم یاد آئی جو آپ نے حضرت شیخ رح کو واپسی وطن از مدینہ کا حکم عالم مثال میں دیتے وقت حضرت رح کی تمنائے دلی پر کہ مدینہ میں پیوند خاک ہوں۔ دی تھی۔ "کہ تمکو وہیں" تمہارے وطن میں جا۔ ئے دفن کے لئے زمین مدینہ ملے گی" چنانچہ جس جگہ قبر سے نکلی ہوئی یہ مٹی رکھی گئی تھی وہ جگہ مقبرہ شریف کی چوکھنڈی سنگ مرمر میں گوشۂ شمال مشرق میں فرشِ سنگ مرمر پر۔ روضہ شریف کے سرہانے ۔ ممیز کردی گئی ہے جو کو رنگین پتھروں کا حاشیہ اور پھول بنا دئے گئے ہیں۔

شیخ سلیم چشتی نام کے ایک دوسرے بزرگ لاہور میں ہوگئے ہیں

یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ ایک دوسرے شیخ سلیم چشتی لاہور میں ہوئے ہیں جو ۱۰۱۱ھ ۱۶۰۲ء

میں فوت ہوئے وہ شیخ محمد صدیق چشتی لاہوری کے خلیفہ تھے محفل سماع میں دو دو تین تین دن تک مست و بیخود پڑے رہتے تھے۔ مزار لاہور میں زین خاں کے میدان میں ہے۔

حضرت شیخ رح کی کرامت اور وفات کا تذکرہ توزک میں جہانگیر کی زبانی۔

جہانگیر نے توزک میں لکھا ہے " ہر چند کہ اظہار کرامت و خوارق عادات۔ خدا کے برگزیدہ بندوں کو پسند نہیں بلکہ اپنے مرتبہ کی پستی سمجھکر اس کے اظہار سے اجتناب کیا کرتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی جذب اور بیخودی کے عالم میں بلا ارادہ اور اختیار۔ یا کبھی بقصد ہدایت شخصی۔ ان سے اظہار کرامت ہو جاتا ہے۔ منجملہ کرامات حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ۔ ایک امر یہ تھا کہ میری ولادت سے پہلے حضرت عرش آشیانی (اکبر) کو مجھ نیاز مند کی اور میرے اور دو دوسرے بھائیوں کی ولادت کی خوشخبری دی تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ ایک روز کسی موقعہ پر حضرت عرش آشیانی (اکبر) نے حضرت شیخ سلیم سے پوچھا کہ آپ کی عمر شریف کتنے اور دن عالم بقا کی طرف رحلت کرنے کے باقی ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ حق جل و علیٰ داناے اسرار اور خفایا ہے۔ بعد از اغراق مجھ نیاز مند کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جس وقت یہ شاہزادہ کوئی کلام ہمیں سنائے گا تو وہ وقت ہماری رحلت کا ہوگا۔ حضرت عرش آشیانی نے میرے خدمتیوں کو تاکید فرما دی کہ کوئی شہزادہ کو۔ کوئی نظم۔ یاد نہ کرائے۔ تا آنکہ دو سال اور سات ماہ گذر گئے۔ ایک دن ایک مستحقہ عورت جو محلات میں تھی اور میرے اوپر نظر بد سے بچانے کو اسپند جلایا کرتی تھی (یعنی رائی نون اتارا کرتی تھی) اور خیرات اور صدقات سے بہرہ مند ہوا کرتی تھی اس نے مجھ کو اکیلا پا کر بے خبری میں

مجھ کو یہ شعر سکھلا دیا :-

الٰہی غنچۂ امید بکشا گلے از روضۂ جاوید بنما

میں نے اُسے حضرت شیخ رح کی خدمت میں جا کر سنا دیا۔ حضرت شیخ رح بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت عرش آشیانی کو اس واقعہ سے آگاہ کیا۔ قضارا اسی شب آثار بخار آپ پر ظاہر ہوئے۔ دوسرے دن تان سین کلاونت کو جو گویوں میں بے نظیر تھا (اور اکبر کے نورتنوں میں سے تھا) طلب فرمایا۔ اُس نے حاضر ہو کر گانا شروع کیا آپ نے پھر فرمایا کہ وعدۂ وصال آپہونچا۔ ہم تم سب سے رخصت ہوتے ہیں۔ اور اپنے سر سے دستار اُتار کر میرے سر پر رکھکر فرمایا کہ سلطان سلیم کو ہم اپنا جانشین بناتے ہیں اور خدا کے حافظ و ناصر کے سپرد کرتے ہیں۔ پھر آپ کو ضعف بڑھتا گیا اور بوصال محبوب حقیقی پیوست ہو گئے۔ پھر اپنے جلوس کے تیرھویں سال کے جشن نوروز کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ ۱۰۲۶ھ میں مرض طاعون شہر آگرہ اور جمیع قصبات و قریات نواحی آگرہ میں پھیلا اور روزانہ قریباً سو آدمی مرنے لگے مگر یہ عجیب و غریب بات تھی کہ فتحپور سیکری میں اصلا اس مرض کا اثر ظاہر نہیں ہوا۔ لوگ ترک وطن کر کے چلے گئے۔ ناگزیر میں بھی فتح پور آ گیا اور جملہ بیگمات و فرزندان اور جمیع اہل دربار بھی ساتھ آ گئے۔ روضۂ غفران پناہ پر فاتحہ خوانی کی اور سب لوگ بخیریت رہے اس زمانہ میں کہ میں فتحپور آیا تھا اسلام خاں (یعنی نواب اسلام خاں پوتے حضرت شیخ) کے بیٹے ملقب بہ اکرام خاں صاحب سجادہ ہیں۔ (از تو زک)

روضے اور مقبرہ حضرت شیخ رح کا مزید حال الغرض حضرت شیخ سلیم چشتی رح کا روضہ اور مقبرہ

ایسی حسین ۔ خوش نقا اور دل کش عمارت ہے کہ دنیا میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ قبر شریف کے اوپر قبہ (Canopy) بیش قیمت لکڑی کا ہے۔ جس کے چاروں ستون اور سائبان اعلیٰ خالص سیپی سے جڑے ہوئے ہیں جنکا قوس قزحی رنگ اپنی اصلی آب و تاب کے ساتھ ۔ ابتک چار سو برس گذرنے کے بعد بھی قائم ہے اور یہی اس مزار شریف کی مشہور ندرت ہے۔ قبہ کے چوطرف حجرے اور غلام گردش (گیلری) قبر کے چاروں طرف طواف کے لئے ہے ۔ حجرے کے در و دیوار اور سقف پر مختلف رنگ و روغن کے دیدہ زیب نقش و نگار اور استرکاری اور مثبت کاری ہے ۔ باہر دروازہ پر قرآن مجید کی آیت ان الذین امنو تا حولا پارہ ۱۶ سورۃ کہف رکوع ۱۲ اور دعا اللہم انت اسلام تا آخر لکھی ہے ۔ پھر اس قبر شریف کے حجرے کے باہر بھی دوسرا بڑا حجرہ سنگ مرمر کے در و دیوار اور فرش اور چھت کا ہے جس کے باہر کی طرف کی دیواریں چوطرفہ سنگ مرمر کی محراب دار دروازہ نما ۔ جالیوں کی ہیں ۔ سنگ مرمر کی پٹیوں میں یہ جالیاں اس باریکی اور نزاکت سے تراشی گئی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے پتھر میں نہیں بلکہ کاغذ میں تراشی گئی ہیں ۔ قد آدم سے زیادہ لانبی چوڑی محراب دار جالیاں ہیں مگر کہیں جوڑ نظر نہیں آتا ۔ یعنی ایک ہی پتھر کی سل یا پٹیا میں تراشی گئی ہیں ۔ ہر جالی کا طرز و نمونہ دوسری سے مختلف ہے ۔ اندر کے مزار کے حجرہ اور اس بیرونی حجرے کے درمیان بھی چاروں طرف اندرونی حجرے کے گرد وسیع غلام گردش (یا گیلری) ہے جو طواف کرنے کے لئے ہے ۔ ان جالیوں کو دیکھکر مغرب کے ماہرین فن تعمیر اور سیاح انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسا نفیس اور نازک کام آگرہ کے روضہ تاج محل میں نہیں ہے اور وہ اس روضہ حضرت شیخ کو بھی عجائبات عالم "

میں شمار کرتے ہیں - مقبرہ کے اوپر سنگ مرمر کا نہایت سڈول بڑا گنبد ہے گنبد کا کلس پہلے سونے کا تھا جسکو بعد ضعف سلطنت مغلیہ بھرت پور ریاست کے جاٹ راجہ چورامن اور سورج مل اور سوبھا رام جاٹ حاکم آگرہ اور ان کے بعد جب آگرہ میں عملداری مرہٹوں کے راجہ سندھیا کی ہوئی تو مرہٹے لوٹ کر معہ دیگر بیش قیمت اشیا - بلند دروازہ کے ہشت دھاتوں کے کواڑ وغیرہ کے اور محلات شاہی کے سامان کو لوٹ کر لے گئے - چار سو سال گزر جانے پر بھی یہ مقبرہ نیا تعمیر شدہ نظر آتا ہے - مقبرہ کا چبوترہ سامنے کے سنگ مرمر کے فرش صحن سے قریب گز بھر اونچا ہے - چبوترہ کے تین طرف ہشت دروازہ - سنگ مرمر کی سیڑھیاں ہیں - اس چبوترہ پر مقبرہ کی بیرونی غلام گردش (گیلری) کے صدر دروازہ پہ جو سنگ مرمر کی برساتی کے اندر ہے - قطعہ تاریخ وفات اور طغرہ جسمیں اللہ - محمد - ابو بکر - عمر - عثمان اور علی نام لکھے ہوئے ہیں - ثبت ہے - قطعہ تاریخ جیسا کہ پہلے درج ہو چکا ہے حسب ذیل ہے جس کے اوپر دونوں طرف کلمہ طیبہ لکھا ہے ؎

مغیث ملت و سرطریق شیخ سلیم   کہ در کرامت و قربت جنید و طیفور است
منور است از شمع خانوادہ چشت   فرید گنج شکر اخلاف تریں پور است
دو بین مباش ز خود فانی و بحق باقی   ۹۷۹ھ کہ سال رحلتش اندر زمانہ مشہور است

مقبرہ کی تعمیر کی تاریخ کا مادہ ہے " جنت ثانی " (۱۰۱۴ھ)

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے یہ مقبرہ موجودہ صورت میں حضرت شیخ رح کے نواسے نواب قطب الدین خاں کوکلتاش - گورنر بنگال - بہار - اور اوڑیسہ نے تعمیر کرایا تھا - دروازہ مقبرہ کے آگے سنگ مرمر کی برساتی بہت ہی خوشنما صنعت کاری

سے بنائی گئی ہے۔ برساتی کی چھت اور چھجے سنگ مرمر کے پتلے ستونوں پر قائم ہیں اور ستونوں پر چھت کے قریب خوبصورت مورتیاں دو دو خوبصورت انگریزی حرف S کی شکل کے بنے ہیں۔ چھت میں بھی چھجوں کے نیچے مقبرہ کے چوگرد یہی دوہری مورتیاں بنی ہیں جو نہایت خوبصورت ہیں۔ ان پتلے ستونوں پر نہایت اعلیٰ قسم کا سنگ تراشی کا کام خوبصورت بیل بوٹے وغیرہ کیا گیا ہے ان ستونوں کے بیچ میں ہوکر۔ مقبرہ کی چھت کا بارش کا پانی آتا ہے جو ان ستونوں کے سنگ مرمر کے نل میں سے جو جڑے ہیں بنے ہیں۔ دونوں جانب کے سنگ مرمر کے دو چھوٹے حوضوں میں گر کر اور زیرِ زمین نالیوں میں ہوتا ہوا کچھ دور صحن مسجد میں ایک بڑے (کنواں) میں جا کر جمع ہو جاتا ہے اور وہاں بارہ مہینوں پینے کے کام آتا ہے۔ اس برکھے یا چھوٹے کنویں کا دہانہ اوپر سے بہت چھوٹا ہے۔ مگر اس کے اندر کو اترنے کے لئے صحن میں دور ایک زینہ ہے جہاں سے لوگ اس کے اندر جاتے ہیں یہ کنواں اندر سے وسیع ہے۔ بطور سرد خانہ گرمیوں میں مستعمل ہوتا ہے مسجد جامع کا جو صدر

بے نظیر طلسماتی بلند دروازہ جامع مسجد

دروازہ جانب جنوب ہے وہ بلند دروازہ کہلاتا ہے سیڑھیوں سے لے کر چوٹی تک ایک سو چھتر فیٹ اونچائی ہے۔ انگریزی تاریخوں میں بھی لکھا ہے کہ دنیا کی بلند ترین عمارتوں میں سے ہے دروازہ کی محراب اکیسو چونتیس فٹ اونچی ہے۔ اس دروازہ کی عظمت اور رفعت صرف دیکھنے سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس بلند دروازے کے ہر دو بازوؤں پر اس کے استحکام اور سہارے اور خوبصورتی کے لئے آٹھ آٹھ منزل کے دو منارے ہیں جو دروازہ کی چوٹی کے برجیوں کے برابر ہیں۔ بلند دروازہ
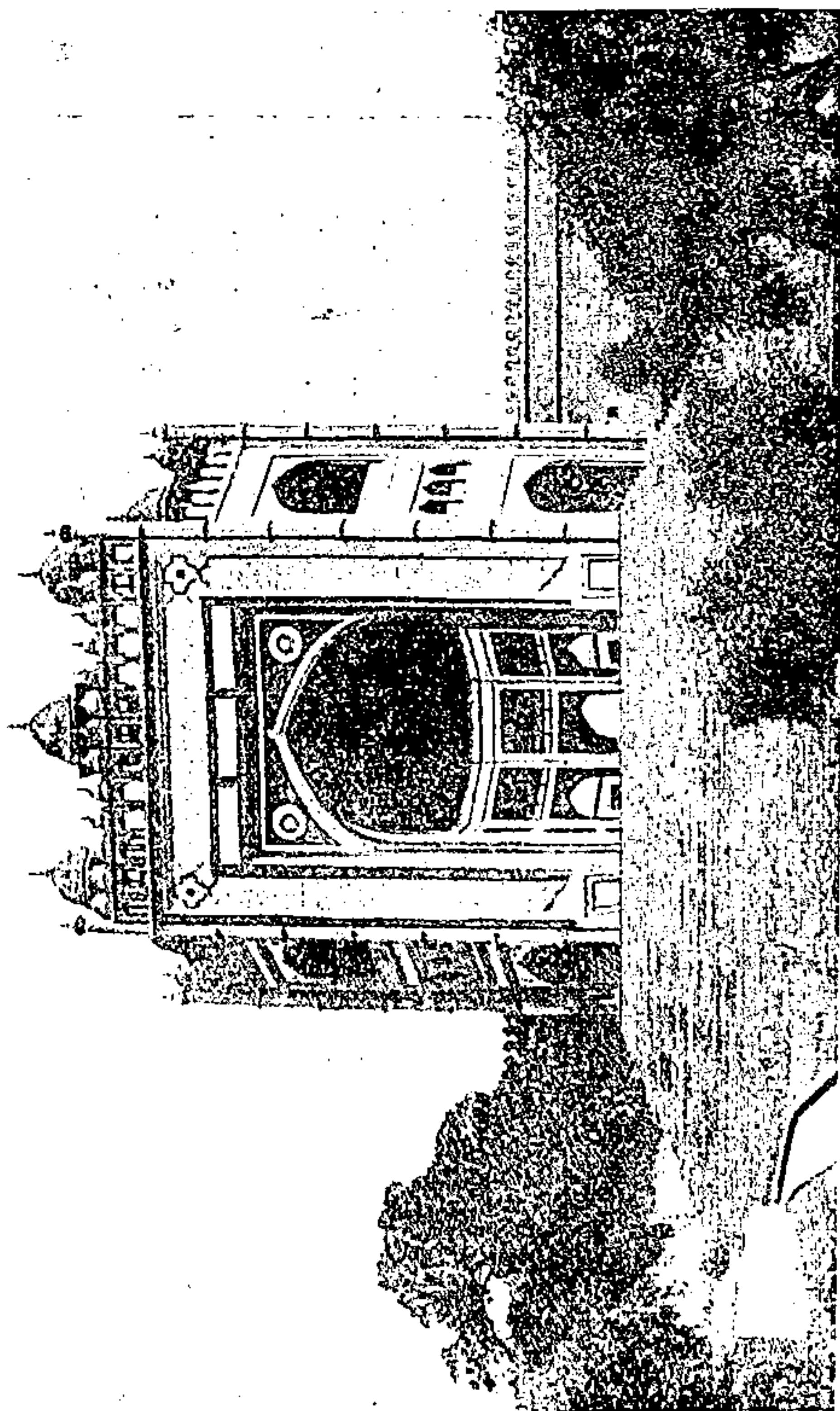
بلند دروازہ جامع مسجد و درگاہ فتحپور سیکری

پشت بلند دروازہ معہ مرکزی ایوان و دالان:
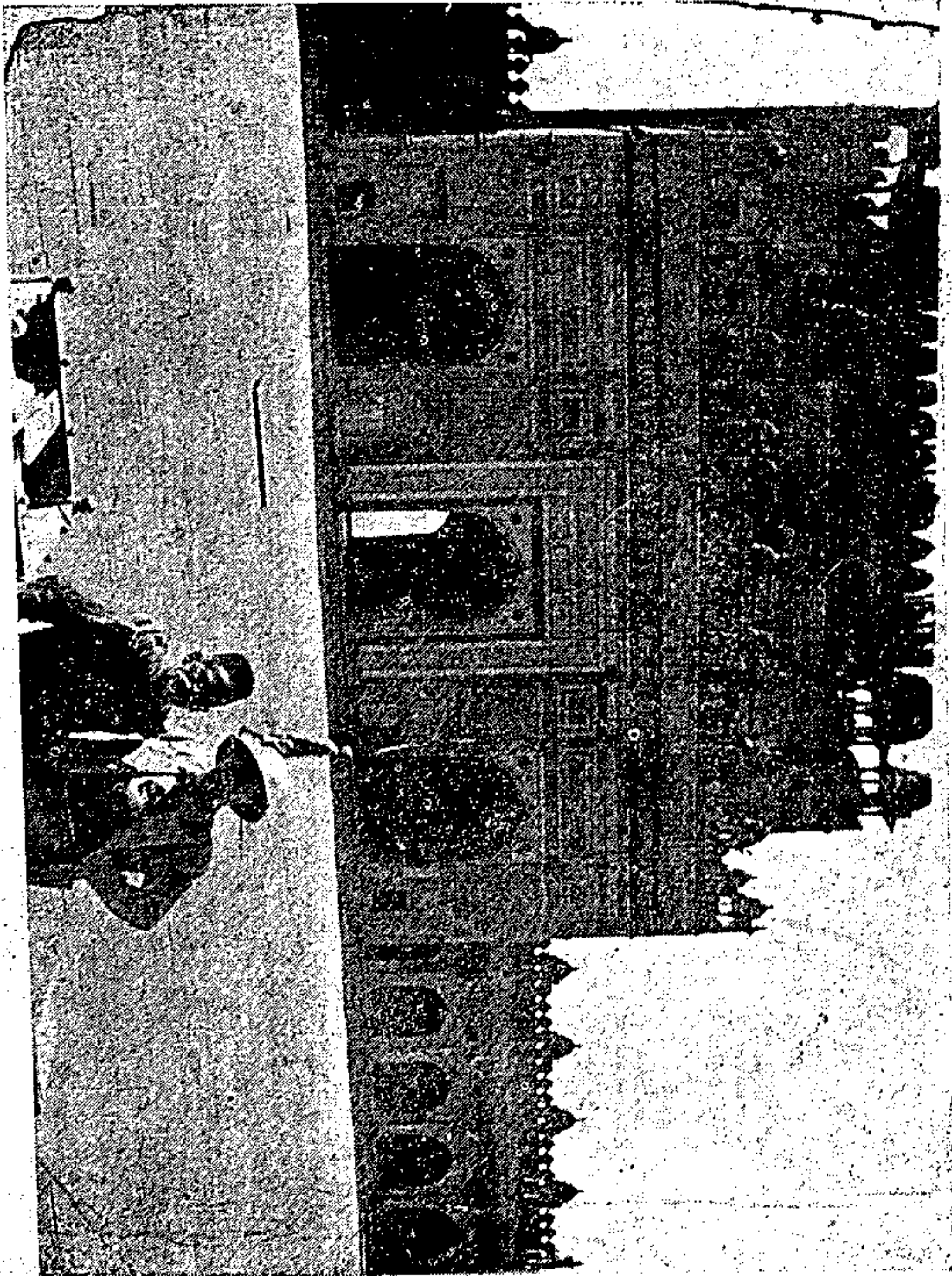
کی چوٹی پر تین برج بڑے بڑے ہیں اور ان کے سامنے یعنی نیچے کی طرف تیرہ چھوٹی برجیاں ہیں جن کے نیچے مربع بنے ہیں جہاں کھڑے ہو کر بلندی پر سے لوگ سامنے کے منظر کا نظارہ کرتے ہیں۔ ان مناروں کے برابر نیچے دو بازو بلند دروازہ کے ہر دو جانب اور ہیں جن میں اوپر اور نیچے دو بڑے بڑے دروازے ہیں اور اُن دروازوں کے درمیان ایک ایک سہ دری ہے جہاں لوگ بیٹھ کر نیچے اور سامنے کی فضا کی سیر کیا کرتے ہیں۔ ان بازوں سے بلند دروازہ کی شکل کچھ اس طرح کی ہو گئی ہے کہ گویا ایک جسم ہے جسکے دائیں اور بائیں بازو پھیلے ہوئے ہیں۔ بلند دروازہ کی محراب پر تینوں جانب۔ دائیں بائیں اور پیشانی پر قرآن مجید کی آیتیں اس صنعت اور فنکاری سے ابھرے ہوئے حروف میں پتھر میں تراشی گئی ہیں کہ نیچے سے اوپر بلندی تک سب

بلند دروازہ کی نہایت بلند محراب کے اطراف میں آیات قرآنی کا بہ پیمانۂ ریاضی لکھنا اور اُن کا یکساں نظر آنا۔

حروف یکساں ہی نظر آتے ہیں اور پڑھنے میں آتے ہیں۔ حالانکہ جوں جوں اونچائی زیادہ بلند ہوتی گئی ہے۔ ان حروف کا حجم بھی اُسی مناسبت سے بڑھتا گیا ہے۔ مگر یہ فرق محسوس نہیں ہوتا اور حروف کی موزونیت برابر قائم رکھی گئی ہے یہ نصف گز کی تختی کی لکھائی ہے۔ جو نیچے سے دکھائی دیتی ہے اور اوپر تک اتنی ہی نظر آتی ہے۔ یہ حسب ذیل آیات قرآنی محراب بلند دروازہ پر تحریر ہیں۔ نام کاتب یا سنگ تراش جس نے یہ حروف قرآن بنائے ہیں حسین بن احمد چشتی لکھا ہے۔ مشرقی بازو پر سورہ کہف پارہ ۱۶ کا آخری رکوع افحسب الذین کفروا تا آخر .... اور ۴ کی آیات

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ سے تا آخر سورۃ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن
تک - اس ایت کے بعد سورہ حٰمٓ سجدہ پارہ ۲۴ کی رکوع ۴ کی آیت
اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ سے تا فِی الْاٰخِرَۃ تک اس کے بعد سورہ حٰمٓ
سجدہ پارہ ۲۵ کا رکوع آخر سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا سے لے کر بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْط
تک - پیشانیٔ محراب اور مغربی بازو تک یہ سورتیں لکھی ہوئی ہیں -

اس بلند دروازہ کو دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں پہاڑ پر- نیچے
پہاڑ کی تلیٹی سے پہاڑ کی چوٹی پر اتنی بلندی تک بڑے بڑے پتھروں کی سالم
سلوں یا پٹیوں کو جو گزوں لانبی چوڑی ہیں- پہونچانے کے لئے کون سی مشین
جرِّ ثقیل کی یعنی کرین (Crane) کام میں لائی گئی ہوگی - اگر اس کام
کے لئے کوئی پاڑہ باندھی گئی ہوگی تو کتنی طولانی کہاں سے کہاں تک بنائی
گئی ہوگی - اور ان بڑی بڑی پٹیوں کو اٹھانے اور اوپر تک لے جانے کے لئے
کتنے مزدور کیسے طاقتوروں سے کام لیا گیا ہوگا - عقل دنگ رہ جاتی ہے
اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام انسانوں نے نہیں بلکہ جنوں نے کیا ہوگا - اور
طلسماتی کام ہے - جیسا کہ روایتاً مشہور چلا آتا ہے - اس بلند دروازہ
کی تاریخ تعمیر اس شعر سے نکلتی ہے ؎

کہ تاریخ اتمام باب بلند شدہ رشک طاقِ سپہر بلند
ع لذیذ بود حکایت طویل تر گفتم ۹۸۵ھ

اس بلند دروازہ کی محراب کلاں میں ایک دوسرا بڑا صدر دروازہ ہے جو مسجد
کے اندر جانے کا ہے - اس دروازے کے داہنے بائیں کمرے ہیں - دروازہ

کے اندر جاکر پہلے صدر میں ایک بڑا عالیشان ایوان یا ہال ہے جسکا پٹاؤ اور

بلند دروازہ کے اندر وسیع ہال

کی چھت کا بھی نہایت اونچا ہے۔ اتنا بڑا وسیع و بلند ایوان بھی بہت کم کہیں ہوگا۔ یہاں امام عرس میں محفل سماع شام کے وقت منعقد ہوتی ہے اور تبرک نان و خطائی حاضرین کو تقسیم کیا جاتا ہے اس بڑے ایوان کے سامنے کے کھلے دالان میں سے ہوکر زینہ تین سٹر ہیوں کا اتر کر مسجد کے صحن پر پہونچتے ہیں۔ اسی دالان کے دونوں بازوؤں کی دیواروں پر فارسی عربی کتبے لکھے ہیں۔ مشرقی دیوار پر یہ عبارت بہ خط نستعلیق فارسی میں تحریر ہے "حضرت شاہنشاہ فلک بارگاہ ظل اللہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ فتح ملک دکن و خاندیس کہ بہ جاندیس موسوم بود۔ نمود۔ در ۴۶ سنہ الٰہی

بلند دروازے کے ہال کی دیواروں پر کتبات اور تاریخ

مطابق ۱۰۱۰ھ بہ فتحپور رسید۔

تا نام زمین و آسمان است - تا نقش وجود در زمان ہست
نامش بہ سپہر ہم نشین باد - ذاتش بہ جہاں ابد قرین باد

(ترجمہ) جبتک زمین و آسمان کا نام ہے۔ جب تک زمانہ میں ہستی کا نشان ہے اس کا نام آسمان پر ہم نشین رہے۔ اسکی ذات جہان میں ہمیشہ ہمیشہ رہے

قال عیسیٰ علیہ السلام - الدنیا قنطرۃ فاعبروہا - ولا تعمروہا

(ترجمہ) عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے کہ دنیا ایک پل ہے اسپر سے گذر جاؤ اس پر عمارت نہ بناؤ۔

فی الاخبار - من تامل انہ یعیش غدا آتامل انہ یعیش ابدا (جس نے یہ خیال کیا کہ کل تک ہی میں زندہ رہونگا اس کا خیال ہمیشہ رہنے کا ہے)

وقیل الدنیا ساعۃً فاجعلہا طاعۃً بقیۃ العمر لا قیمۃ لہا
اور کہا کہ دنیا ایک ساعت (گھڑی) ہے اسکو پس طاعت یعنی عبادت میں گذارو
اور اسکی کچھ قیمت نہیں ہے (فی الاخبار۔ یعنی خبر میں ہے ۔ حدیث)

مغربی دیوار پر ۔ من قدم الی الصلوٰۃ ولیس معہ قلبہ فانہ لا یزیدہ من اللّٰہ
الا بعداً (ترجمہ) جو بے دلی سے نماز پڑھتا ہے وہ اللہ سے اور بھی دور جا پڑتا ہے
(خبر میں ہے) خیر المال ما انفق فی سبیل اللّٰہ (ترجمہ مال وہی اچھا ہے جو خدا کی
راہ میں صرف کیا جائے) بیع الدنیا بالآخرۃ یربح ۔ دنیا کی عوض آخرت مول
لینے میں نفع رہے گا۔

الفقر ملک لیس لہا محاسبۃ (ترجمہ ۔ فقر ایسا ملک ہے جسمیں اسکی بابت حساب نہیں
کیا جائے گا ۔) (رباعی)

نامی چہ شد ار تو تخت گاہے کردی ۔۔۔ وز قصر زر اندو د پناہے کردی
خوبی جہاں بہ صورت آئینہ داں ۔۔۔ خودگیر و تو ہم در و نگاہے کردی

(ترجمہ نامی اگر تو نے تخت گاہ قائم کیا اور سونے کے محل میں پناہ لی تو کیا ہوا ۔
جہان کی خوبی کو مثل آئینہ کے خیال کرو کہ وہ تمہارے ہاتھ میں ہے اور تم ابھی دیکھ رہے ہو
قائلہ وکاتبہ (لکھا ہوا اور کہا ہوا) محمد معصوم نامی ۔ بن سید صفائی والترمذی
اصلاً والسیکری مسکناً والمنتسب الی سید سیر قلندر بن باحسن ابدال السبزواری
مولداً والقندھاری موطناً)۔

کتبہ بخط طغری نام پنجتن، | اسی دیوار میں اس رباعی کے اوپر ایک نہایت خوشنما کتبہ ہے
جس میں بڑی صنعت سے خط طغریٰ میں ملے جلے حروف ہیں۔

نام اللہ۔ محمدؐ۔ ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ حسنؓ۔ حسینؓ۔ لکھے ہیں۔ ایک ہی لفظ ع اور ایک ہی لفظ م اور ن اور ر ان سب ناموں کے لئے استعمال کیا گیا ہے یہ ڈیڑھ بالشت مربع کا طغرٰی ہے۔ کاتب طغرٰی کا نام احمد علی ارشد ۱۲۱۱ھ تحریر ہے۔

ہر گزرنے والا اس طغرے پر اپنا ہاتھ پھیر کر اپنے منہ پر ملتا ہے جس عمل سے یہ طغرا بہت چکنا اور چمکدار ہوگیا ہے۔

تذکرہ فتح خاندیش وملک دکن مندرجہ کتبہ

اس کتبہ میں جس فتح ملک دکن وخاندیش کا تذکرہ آیا ہے اسکا ذکر بھی فتح پور سیکری کے ضمن میں ضروری ہے۔ ۹۸۰ھ جب ملک گجرات (کاٹھیاواڑ) میں وہاں کے حاکم ابراہیم حسین مرزا نے بغاوت کی تو اس کے فرو کرنے کو اکبر فتحپور سے بہ عجلت روانہ ہوا۔ خواجہ جہاں اور قلیچ خاں کو شہزادہ سلیم کے پاس چھوڑا۔ بسواری اسپ صرف چالیس سوار ساتھ لے کر چل پڑا۔ اثنائے راہ میں خبر پا کر سید محمود خاں بارہہ۔ راجہ بھگوان داس۔ اور راجہ مان سنگھ جے پور سے اور راج سرجن۔ راجہ رن تھنبھور بھی اپنے اپنے سوار لے کر ہمرکاب ہوگئے۔ اکبر۔ اجمیر ہوتا ہوا۔ احمد آباد صدر مقام گجرات۔ جا پہونچا۔ اور باغیوں پر فتح حاصل کر کے لوٹ آیا مرزا عزیز کوکہ کو گجرات کی حکومت سپرد کی۔ بعد کو پھر ۹۸۱ھ میں مرزا عزیز کوکہ نے خبر بھیجی کہ احمد آباد و گجرات میں دوبارہ محمد حسین مرزا اور اختیار الملک نے بغاوت کر دی ہے۔ اور احمد آباد کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ اس وقت موسم برسات کا تھا۔ اکبر پھر نہایت تیزی سے تین سو امرا کو صرف ہمراہ لے کر تیز رفتار اونٹوں اور صبا رفتار خاصہ کے گھوڑوں کی ڈاک

احمد آباد پر بغاوت فرو کرنے کی یورش۔ اکبر نے ہزار کوس کا دو ماہ کا فاصلہ ۹ دن میں طے کیا

بٹھاکر بسواری اسپ روانہ ہوا۔ دو ہزار سوار منتخب کو پیچھے پیچھے آنے کا حکم دے گیا۔ چار چار منزلوں کی ایک ایک منزل کرتا ہوا اچانک احمد آباد جا پہونچا۔ ہزار سے زائد کوس کا فاصلہ۔ دو ماہ کا راستہ۔ صرف نو دن میں طے کیا اور اس قدر عجلت سے باغیوں کے سر پر جا پہونچا کہ محمد حسین مرزا اور اختیار الملک باغیوں کو کسی طرح یقین نہیں آتا تھا کہ اکبر فتحپور سے حیرتناک طور پر اسقدر جلد یہاں پہونچ سکے گا۔ کیونکہ ان کے جاسوس نے چودہ دن قبل ہی اکبر کو فتحپور میں بچشم خود دیکھکر چھوڑا تھا۔ اس نے پہلے بھی اکبر نے جبکہ وہ ۹۶۹ھ میں خواجہ معین الدین چشتیؒ کی زیارت کے لئے اجمیر گیا تھا اور اس دوران میں بمقام سانبھر امبیر (حال جے پور) کے راجہ بھارا مل کی بیٹی سے شادی کی تھی تو بعد زیارت اکبر نہایت تیزی سے تین شبانہ روز میں ایکسو تیس کوس کی مسافت طے کر کے صرف پانچ چھ ہمراہیوں کے ساتھ آگرہ پہونچ گیا تھا۔ اور بقیہ لاؤ لشکر عقب سے آتا رہا۔ غرضیکہ احمد آباد میں اس غیر متوقع تعجیل سے اکبر کے پہونچ جانے پر باغی سراسیمہ ہو کر بھاگے محمد حسین مرزا اور اختیار الملک بعد کو گرفتار ہو کر قتل ہوئے۔

سیکری کا نام فتح پور دار النور ہوا

اسی فتح گجرات و دکن اور نیز فتح چتوڑ کی خوشی میں اکبر نے سیکری عرف شکری کو اول فتح آباد پھر فتحپور کا نام اور دار السرور اور دار النور کا لقب دیا۔ چنانچہ فتحپور کی ٹکسال کے ڈھلے ہوئے سکوں پر لکھا ہوا ہے:۔

"ضرب دار النور فتحپور"

بقیہ بیان ایوان ہائے مسجد جامع

اس بڑے ہال یا ایوان کے داہنے جانب اور

بائیں جانب ایوانوں کا سلسلہ چلا گیا ہے جن کے بڑے بڑے کمانی دار محراب نما دالان ہیں اور جو صدر مسجد کے دالانوں تک جاکر ختم ہوتے ہیں - اور صحن مسجد کے جنوب - شمال اور مشرق میں پھیلے ہوئے ہیں - ان ایوانوں میں ایک ایک حجرہ کواڑ دار دروازہ کا ہے - یہ دالان تعداد میں نوّے ۹۰ ہیں اور یہ حجرے تعداد میں چوراسی ۸۴ ہیں ان حجروں میں زائرین درگاہ معہ اپنے اہل وعیال وسامان کے آکر مقیم ہوتے ہیں - بلند دروازے کے بڑے ایوان کے نیچے صحن مسجد میں اترنے کی سیڑھیوں کے برابر ہر دو جانب شمال وجنوب بلند دروازہ کے اوپر چڑھنے کے لئے ۲ دو زینے

بلند دروازے کے اوپر تک چڑھنے کے لئے زینے	ہیں ان میں کواڑ دار دروازے ہیں ان زینوں کی سیڑھیوں سے چڑھ کر بلند دروازہ کی منزل بمنزل پہونچکر اوپر چوٹی تک لوگ جاتے ہیں - چوٹی تک پہونچنے کے لئے پانچ منزلیں

طے کرنی پڑتی ہیں - ہر منزل پر لوگوں کے بیٹھنے اور آرام کرنے کے لئے فرش چھت پر بہت سایہ دار کافی جگہ ہے - ان پانچوں منزلوں تک پہونچنے کے لئے پانچ ہی زینے طے کرنے پڑتے ہیں - پہلا زینہ ۱۷ سیڑھیوں کا - دوسرا پندرہ سیڑھیوں کا - تیسرا چوبیس ۲۴ سیڑھیوں کا اور چوتھا و پانچواں - دس دس سیڑھیوں کے ہیں سب سے اوپر چوٹی میں پہونچکر لوگ بلند دروازہ کی گمزیوں کی مربع بالکنیوں میں بیٹھ کر نیچے اور گرد و نواح کے مناظر کی سیر کرتے ہیں -

مسجد کے صحن کا حال جو توزک جہانگیری میں جہانگیر نے لکھا ہے وہ بحساب ذرع ہے - مولف آثار اکبری مولوی سعید احمد مارہروی نے صحن مسجد اس طرح لکھا ہے - شرقاً غرباً چار سو تیس ۴۳۰ فیٹ - شمالاً جنوباً تین سو چھیاسٹھ ۳۶۶ فیٹ سنگ

کا ہے۔ صحن وسط مسجد سنگ مرمر کا ہے۔ اس صحن میں کچھ حصہ صحن قریب ۱۰۰ سو فٹ طول و عرض میں باقی صحن سے ۱/۲ فٹ اونچا ہے۔ یہاں تک نمازیوں کا صحن ہے اس ۱/۲ فٹ اونچے صحن کے نیچے کے صحن مسجد میں روضہ حضرت شیخ رح اور دیگر مزارات ہیں۔ جو بادشاہی دروازہ مسجد سے داہنی جانب شمال میں ہیں اور حضرت شیخ کے مقبرہ کے بائیں جانب یعنی مشرق میں۔ یہاں ہی گنبد نواب جی ہے اس سے متصل جانب شرق گورستانِ درگاہ ہے مقبرہ حضرت شیخ رح کی پشت کی

گورستانِ درگاہ شریف اور مزارات یاران چبوترہ وغیرہ

جانب ایک بہت بڑا ایوان ہے جو بند ہے۔ اور کواڑ لگے ہوئے ہیں۔ اس کے صدر دروازہ پر سنگ مرمر وغیرہ کی پھولوں کی منبت کاری ہے۔ اس ایوان میں خاندان حضرت شیخ کی مستورات کی قبریں ہیں۔ گنبد مقبرہ نواب جی کے دالانوں میں تین طرف اور گنبد اور دالانوں کے چبوترہ کے نیچے صحن میں جانب مشرق بہت سی قبریں ہیں۔ ان قبروں میں ایک چبوترہ ہے جسکے نیچے قبریں ہیں مگر اوپر لوح مزار نہیں ہے اسکو "یاران چبوترہ" کہتے ہیں۔ روایت ہے کہ بارہ جید۔ اللہ والوں کی قبریں یہاں ہیں۔ جو باہم یار و غار تھے ایک خاص بات

زیر زمین تہ خانوں میں اصلی قبروں کی کمرے اور اوپر نمائشی قبریں

مقبرہ حضرت شیخ رح اور مقبرہ گنبد نواب جی کی قبروں کی یہ ہے کہ ان مقبروں کے فرش کے نیچے۔ زیر زمین تہ خانوں میں بڑے بڑے طول طویل وسیع کمرے اور گیلریاں ہیں اور اصلی قبریں ان تہ خانوں کے نیچے ہیں۔ ایسے تہ زمین قبروں کے کمروں کو انگریزی میں Mortuary chamber (خواب گاہ اہلِ مدفن) کہتے ہیں۔ ان کمروں کی چھتوں پر باہر لوح مزار اور قبروں کے نمائشی تعویذ بنائے گئے ہیں۔ ان کا

انگریزی میں Cenotaph (خالی قبر) کہتے ہیں - ان تہ زمین خواب گاہِ اہل قبور میں جو فرشِ صحن کے نیچے ہیں - جانے کے لئے ایک وسیع زینہ بنا ہوا ہے جس میں کواڑ ہیں اور اس کو بعد کو بند کر کے فرشِ صحن برابر کر دیا گیا تھا - چند سال گزرے محکمۂ آثارِ قدیمہ نے اس کا پتہ لگا کر اسکو کھولا - اس زینہ سے گذر کر اندر کو ایک بہت لانبی گیلری چلی گئی ہے - قدم آدم سے قریب ۱ گز اونچی اور قریباً ۴ گز چوڑی ہے - اس میں دیواروں میں بڑے بڑے طاق بنے ہیں جن میں شمعیں اور خوشبودان رکھے جاتے تھے - جن کے آثار ان طاقوں میں ہیں - سفیدی کی قلعی دیواروں اور چھت پر کی گئی تھی - یہ زینہ جو برآمد ہوا ہے - گنبد نواب جی کے دالان کے جانب مشرق، نیچے فرش پر ہے - اسی طرح کا تہ زمین کمرہ جس میں اصلی قبر ہے حضرت شیخ سلیم چشتی رح کے مقبرہ کے نیچے بھی ہے مگر اسکا زینہ اور راستہ اب نہیں ملتا - جس کو بند کئے گئے قریباً تین سو سال ہوگئے -

واضح رہے کہ اس گورستان درگاہ میں صرف وہی لوگ دفن ہو سکتے ہیں یا جو خاندان حضرت شیخ رح اور ان کے متوسلین میں سے ہوں - یا خاص لوگوں میں سے ہوں - اور صرف یہ اجازت سجادہ نشین صاحب درگاہ فرما سکتی ہے - اسی مقام پر حال میں دفن کرنے کو ۱۵ جولائی ۱۹۶۰ء کو مرحوم خان بہادر الحاج مولوی اختر عادل - ایڈوکیٹ کراچی سابق آگرہ کا جنازہ ہوائی جہاز میں ان کے صاحبزادگان - انور عادل و اکبر عادل اور اشرف عادل صاحبان لے گئے تھے ان کی قبر ان کے والد مرحوم ڈاکٹر شیخ عبداللہ اور ان کی والدہ مرحومہ کی قبروں کے پائینتی بنی ہے - قبر پر سنگ مرمر کی لوح پر فارسی تاریخ وفات نوشتہ

لحد الحاج مولوی
اختر عادل مرحوم

رئیس امروہی اور قطعہ تاریخ اُردو نوشتہ راقم الحروف کندہ ہے۔
مرحوم ایک ماہ قبل وفات ہندوستان گئے تھے تو فتح پور سیکری بھی گئے تھے اور درگاہ میں اپنی قبر کی جگہ تجویز کر آئے تھے۔ اُسی میں مدفون ہوئے۔ مرحوم کی پیدائش ۱۸۹۰ء میں فتحپور ہی میں ہوئی تھی۔ مگر سب سے اچھی تاریخ منظر صدیقی سیمابی اکبرآبادی نے شعلہ غم نامی مطبوعہ ماتمی نظم کے آخر شعر میں نکالی ہے ؎

فکر تاریخ ہے منظر تو پریشاں کیوں ہو ÷ کہہ دے جنت کے مکیں ہوگئے اختر عادل ۱۹۶۱ء

شاید یہ پانچواں جنازہ ہے جو دور دراز مقام سے آکر درگاہ میں دفن ہوا۔ اس سے پہلے جیسا بیان ہو چکا ہے نواب قطب الدین۔ نواب اسلام خاں۔ نواب معتشم خاں اور نواب مکرم خاں کے چار جنازے مقام دور و دراز سے یہاں دفن ہونے کے لئے آئے تھے

جھالرہ یا تالاب

بلند دروازہ۔ کی سیڑھیوں کے جانب مغرب مسجد کی جنوبی بلند دیوار کے تلے ایک گول وسیع گہرا تالاب ہے جسے جھالرا کہتے ہیں۔ اس کے دو حصے ہیں۔ اگلے حصہ میں اُترنے کی سیڑھیاں ہیں جن کے دونوں دالان دار کھلے ہوئے ہیں۔ اسے چھوٹا جھالرا کہتے ہیں۔ یہاں لوگ غسل کیا کرتے ہیں اس کے بعد ایک محراب دار دروازہ سے بڑا جھالرا شروع ہوتا ہے جو نہایت عمیق ہے۔ یہ سنگ سرخ سے بنا ہے اور دیواروں میں دالان نما محرابیں ہر طرف بنی ہوئی ہیں جو خوشنمائی کے لئے بنائی گئی ہیں۔ اس بڑے جھالرہ میں مسجد کی بلند دیوار سے جو قریباً ۸۰ فٹ اونچی ہے اوپر سے غوطہ زن کودتے ہیں جو بظاہر پُر از خوف و خطر معلوم ہوتا ہے۔ سیاح لوگ اس کودنے پر اُن کو انعام و اکرام دیتے ہیں، یہ خطرناک کام ہر شخص کے بس کا نہیں ہے۔ اس جھالرے کا پانی کھاری ہے بارش کا پانی بھی ہی

میں گز تک ہے بارہ مہینوں پانی بھرا رہتا ہے۔

لنگر خانہ و مطبخ بلند دروازہ کی سیڑھیوں سے جانب مشرق ملی ہوئی سطح زمین سے کچھ بلندی پر۔ ایک عمارت لنگر خانہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں مشہور زمانہ لذیذ کھچڑی عرس کے موقعہ پر بڑی بڑی دیگوں میں پکائی جاتی تھی اور زائرین اور غربا کو تقسیم کی جاتی تھی۔ اس کھچڑی کا اہتمام اور تقسیم کا کام۔ متولی درگاہ حضرت شیخ حاجی حسینؒ اور ان کی اولاد کیا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کا نام کھچڑی والا پڑ گیا تھا۔ فارسی تاریخ میں اس کھچڑی کے بارے میں لکھا ہے "کہ کھچڑی مانگنے والے پکارا کرتے تھے کہ" اے کھچڑی والا مرا بدہ"۔ اس سے اس متولی خاندان والوں کا نام کھچڑی والا ہو گیا"۔ یہ کھچڑی ویسی ہی ہوتی تھی جیسی کہ حضرت خواجہ اجمیری کے عرس میں تیار کی جاتی ہے۔ مگر فتحپور سیکری میں اسکا رواج شاہی زمانہ کے ختم ہو جانے پر مسدود ہو گا۔

حمام جامع مسجد بلند دروازے کی سیڑھیوں کے نیچے پہاڑ کی گھاٹی کی سڑک پار کر کے اٹھائیس سیڑھیوں کا ایک اور زینہ اتر کر دوسری گھاٹی پہاڑ کی آتی ہے اس گھاٹی پر حمام بنے ہوئے ہیں جو نیچے کی عام سطح زمین سے بہت بلندی پر واقع ہیں سب سنگ سرخ کے ہیں چھتیں اور گنبد گچ کے چونے کے ہیں جو مثل پتھر کے سخت ہے۔ ان گنبدوں میں جو قبہ نما ہیں۔ ہوا اور روشنی کے لئے روشندان بنے ہیں۔ ان حماموں کے دو درجے ہیں۔ پہلے درجہ میں آٹھ غسل خانے اور ایک کمرہ اور دوسرے درجہ میں ایک کمرہ درمیانی اور آٹھ چھوٹے بڑے غسل خانے ہیں اور کپڑے بدلنے کے لئے الگ الگ کمرے ہیں۔ یہ حمام جب جامع مسجد تعمیر ہوئی تو

نمازیان مسجد کے استعمال کے لئے بنے تھے۔ مؤلف کتاب آثار اکبری سعید احمد صاحب مارہروی نے غلطی سے کسی کے کہنے پر یہ لکھدیا ہے کہ یہ حمام نواب اسلام خاں کے ہیں۔ نواب اسلام خاں حضرت شیخ رح کے پوتے تھے ان کا زمانہ بہت بعد کا زمانہ ہے۔ اور پھر اُن کا رہنے کا مکان تو وہ شاہی محل تھا۔ جو جہانگیر کی والدہ مریم زمانی کے لئے بروقت تیار ہوا تھا اور پھر جب شاہی محلات میں دوسرا نیا محل والدہ جہانگیر۔ جودہ بائی کے لئے بن گیا تو پہلا محل حضرت شیخ رح اور اُن کی اولاد کی جائے سکونت ہو گیا۔

طریقہ آب رسانی حمام پہاڑ کی بلندی پر

یہ حمام موسم گرما میں سرد خانوں کا کام دیتے ہیں بہت خوبصورت ہیں۔ ہر حمام میں حوض اور فوارے بنے ہیں۔ اب بیکار ہیں۔ ان حماموں میں اتنی بلندی پر نیچے سطح زمین سے ایک کنوئیں سے پانی پہونچایا جاتا تھا۔ اور آب رسانی کا طریقہ یہ تھا کہ پرشین وھیل (چرخ) کے ذریعہ سے پانی کھینچکر۔ منزل بمنزل اوپر جمع ہو کر پہونچتا تھا۔ حماموں سے اس کنوئیں تک ایک بلند محراب دار دروازہ کی ڈاٹ پر یہ پانی لے جانے کا راستہ بنا تھا۔ یہ بلند ڈاٹ اور راستہ پانی کا ابتک باقی ہے۔ کنواں اب باقی نہیں رہا۔ یہی طریق آب رسانی شاہی محلات میں بھی تھا جس کے آثار باقی ہیں یہ محلات پہاڑ کی چوٹی پر بنے ہیں۔ پہاڑ کے نیچے محلات کے چاروں طرف بڑی بڑی باؤلیاں (بڑے بڑے حوض نما کنوئیں) جن میں اندر اترنے کی سیڑھیاں اور دالان اور کمرے بنے ہیں۔ ان کنوؤں سے پانی پرشین وھیل یعنی چرخ کے ذریعہ کھینچکر اوپر منزل بمنزل جمع ہوتا ہوا اوپر محلات میں پہونچتا تھا۔

جامع مسجد اور محلات میں فن تعمیر کی خاص صنعت اور خصوصیت

جامع مسجد۔ بلند دروازہ اور محلات شاہی جو پہاڑ کی چوٹی پر بلندی پر بنائے گئے ہیں۔ ان کے پلان (plan) نقشہ بنانے میں یہ عجیب و غریب صنعت ہے کہ پہاڑ کی نیچے گھاٹی کی سطح زمین سے اوپر کی بلندی تک محراب دار دالانوں کی ڈاٹیں کھڑی کر کے ان ڈاٹوں پر پہاڑ کی چوٹی کی زمین سے ہم سطح کر کے فرش صحن کا بنایا گیا ہے۔ اسی طرح کئی ڈاٹوں پر بلند دروازہ کی پاون سیڑھیاں اور بلند دروازہ کی دہلیز کا چبوترہ ہے جو شرقاً غرباً ۹۰ فٹ اور شمالاً جنوباً ۵۲ فٹ ہے جسے چنڈہ کہتے ہیں۔ اسی چبوترہ یا چنڈے پر ایک شطرنجی (بساط شطرنج) بنی ہے جو مربع ہے ہر ضلع ۲۰ فٹ۔ ۱۲ انچ ہے۔ پھر اس چبوترہ پر سے چار سیڑھیاں چڑھ کر دوسری دہلیز بلند دروازہ کی ہے جو شرقاً غرباً ۴۲ فٹ ۴۔ انچ اور شمالاً جنوباً ۴۳ فٹ ۹ انچ ہے۔ اس دہلیز یا چبوترہ پر ایک خوشنما پھول نصف دائرہ کی شکل کا بہت بڑا بنا ہوا ہے جس میں درمیان میں سنگ سفید کی پچہ کاری کی ہوئی ہے۔ یہ سیڑھیاں اور چبوترے نیچے سے پولے ہیں اور ڈاٹوں پر قائم ہیں۔ اسی طرح جامع مسجد کی تمام جنوبی دیوار کا فرش صحن۔ نیز بلند دروازہ کے جانب مغرب و مشرق کا صحن۔ اسی طرح کی بڑی بڑی ڈاٹوں پر قائم ہے جانب دیوار مشرقی بادشاہی دروازہ تک فرش صحن مسجد کا ڈاٹوں پر قائم ہے بادشاہی دروازہ سے جانب شمال پہاڑ کی زمین کی سطح سے صحن ہموار ہو گیا ہے تو اس طرف ڈاٹیں نہیں ہیں۔ اسی طرح محلات شاہی پہاڑ کی چوٹی پر۔ ایسی ہی ڈاٹوں پر سطح زمین برابر لا کر بنائے گئے ہیں اور یہ سلسلہ ڈاٹوں کا

تقریباً ایک میل دور تک جانب شمال آگرہ دروازے تک چلا گیا ہے ۔ یہ ڈاٹیں
محلات جامع مسجد اور بلند دروازہ کی صدیوں گزر جانے پر بھی مضبوطی سے
قائم اور عمارتوں کا بوجھ سہارے ہوئے ہیں کبھی کبھی کوئی خرابی نظر آتی ہے تو
محکمۂ آثار قدیمہ اسکی مرمت بذریعہ سیمنٹ کرایا کرتے ہے ۔ ان ڈاٹوں کی صنعت
اور مضبوطی قابل دید اور لائق داد ہے جنکو دیکھکر ماہر انجنیئر عش عش کر جاتے ہیں

یورپ کے ماہرین فن تعمیر کا خراج تحسین

ان ڈاٹوں میں (درگاہ شریف یعنے جامع مسجد کے نیچے) دری وفرش
بننے کے کارخانے چل رہے ہیں اور گرمیوں کے موسم میں یہ
سرد خانوں کا کام دیتے ہیں ۔ صرف بلند دروازہ اور اسکی سیڑھیوں کی ڈاٹیں بند
ہیں جو سیڑھیوں سے تینوں طرف سے ڈھک گئی ہیں۔

مسٹر ایڈمنڈ اسمتھ نے جو محکمہ آثار قدیمہ کے انگریزی دور حکومت میں
آرکیالاجیکل سروے آر اور ماہر انجنیئر تھے چار بڑی بڑی جلدیں فتح پور سیکری
کی جامع مسجد ۔ بلند دروازہ اور محلات شاہی کے فن تعمیر کی صنعت کی تعریف
اور تفصیلی حالات میں معہ نقشوں اور پلانوں کے تصنیف کی ہیں ۔ یہ ضخیم جلدیں
محلات شاہی کے سرکاری ڈاک بنگلہ میں جو لارڈ کرزن وائسرائے ہند نے
سیاحان مغرب کے قیام کے لئے ۱۹۰۴ء میں بنوایا تھا ۔ رکھی ہوئی ہیں اور سیاح
انکا مطالعہ کیا کرتے ہیں ۔ کتاب کا نام ہے ۔ مغل آرکی ٹیکچر آف فتحپور سیکری
(فتح پور سیکری میں مغلوں کا فن تعمیر) اس میں اس عجیب وغریب طرز تعمیر پر خراج
تحسین پیش کیا گیا ہے ۔

Aldous Huxley

ایک اور مشہور انگریز مصنف الڈوس ہکسلے

نے ان عمارتوں کی توصیف ان الفاظ میں کی ہے۔ "فتح پور سیکری - معہ اپنے
سات میل کے دور میں آباد شہر کے اور اپنی عظیم اور عالی شان مسجد - اور اعلیٰ شاندار
محلات شاہی کے۔ اور ان میں اعلیٰ قسم کی مبنّت کاری - نقاشی - رنگا رنگ
مصوری اور کندہ کاری کے "ایک خواب رفتہ کا شاہد خاموش ہے" وہ انگریزی
الفاظ یہ ہیں:-

"A Silent witness of a vanquished dream."

یا ترجمہ بالفاظ دیگر "ایک گذرے ہوئے خواب کی بے زبان تعبیر - اور بھی بہت
سے مورخوں نے ان عمارات کی تعریف بیان کی ہے بخوف طوالت ان کا تحریر کرنا
نظر انداز کیا جاتا ہے - البتہ حال ہی میں جب صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں
نے پاکستان کا نیا دار الحکومت اسلام آباد بمقام پوٹھوہار نزد راولپنڈی تعمیر کرنیکا
منصوبہ بنایا تو اسکی تعمیر کا پلان (نقشہ) تیار کرنے کے لئے یورپ کے ماہرین
فن تعمیر کو مدعو کیا۔ تو ملک یونان کی ایک نامی گرامی فرم ماہر تعمیرات کے چیف
پلانر ڈاکٹر سی - اے - آئیکسی ڈوس C. A. Doxiadas نے
ایک جلسہ میں تقریر کے دوران کہا تھا کہ پوٹھوہار کی پہاڑیوں میں دار الحکومت تعمیر
کرنے کے لئے فتح پور سیکری کی پہاڑیوں پر تعمیر شدہ شہر کی مثال سامنے رکھی جائے
اور اسی طرز پر شہر اور عمارتیں بنائی جائیں۔ اور یہ بھی کہا کہ "میں فتح پور سیکری کو دنیا
کے نہایت ہی خوبصورت شہروں میں خیال کرتا ہوں جو میں نے اب دیکھے ہیں اور
نیز کہا کہ فتحپور شہر چند وجوہ سے جنمیں خاصکر پانی کی قلت تھی ناکام ہو گیا

(بحوالہ انگریزی روزانہ اخبار ڈان کراچی مورخہ ۱۱ فروری ۱۹۶۰ء)
فتحپور سیکری کے چند نامی محلات شاہی اور عمارات کا تذکرہ اس کتاب کے آخر
میں درج کیا گیا ہے۔ جن کے متعلق بعد تحقیقات یہ بتایا گیا ہے کہ ان کا صحیح نام کیا
تھا اور وہ عمارات اصل میں کیا تھیں اور کن غلط ناموں سے بعد کو مشہور ہوگئیں
اور محکمہ آثار قدیمہ آنکھ بند کر کے اُن غلطیوں کو اپنالیا۔

حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد
اور اُن کے جانشین صاحب سجادہ

حضرت شیخ سلیم چشتی رح کی اولاد اور آپ کے صاحبان سجادہ

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے آٹھ فرزند اور دس دختران زندہ رہے
بیٹوں کے نام ہیں۔ شیخ محمد[۱] چشتی۔ شیخ احمد[۲] چشتی۔ شیخ بدالدین[۳] چشتی
مخدوم شیخ تاج الدین[۴] چشتی عرف بالے میاں۔ شیخ نصراللہ[۵] چشتی
شیخ محمود[۶] چشتی۔ شیخ معروف[۷] چشتی و شیخ منور[۸] چشتی۔
اور بیٹیوں کے نام ہیں:۔ بی بی مریم[۱]۔ بی بی خدیجہ[۲]۔ بی بی فاطمہ[۳]۔ بی بی عائشہ[۴] کلاں۔
بی بی زیبا[۵]۔ بی بی سارا[۶]۔ بی بی رقیہ[۷] و بی بی رابعہ[۸]۔ بی بی عائشہ[۹] خورد۔ بی بی خزیمہ[۱۰] چار
بیٹیاں بچپن میں فوت ہوگئیں۔
بڑے بیٹے شیخ محمد کا انتقال بعمر ۲۶ سال حج سے واپسی پر ۹۷۲ھ ہوگیا تھا
مصنف دربار اکبری محمد حسین آزاد صاحب نے غلطی سے شیخ ابراہیم نام لکھدیا ہے
مگر جواہر فریدی اور قلمی فارسی کتاب جو خاندان شیخ میں ہے۔ ان میں شیخ محمد ہی نام
لکھا ہے مخدوم شیخ تاج الدین عرف بالے میاں بچپن ہی میں اللہ کو پیارے ہوگئے

باسلے میاں مادرزادولی
اوران کا مزار

آپ مادرزاد ولی تھے۔ ابھی کم سن پالنے میں جھول رہے تھے کہ ایک دن حضرت شیخ رح نے وضو کے لئے پانی طلب کیا۔ اتفاق سے کوئی حاضر نہیں تھا۔ آپ پالنے سے اُٹھکر پانی کا لوٹہ لے کر حاضر ہوگئے اسپر حضرت شیخ رح نے آپ پہ تیز نظر ڈالکر فرمایا کہ بابا اتنی جلدی" آپ یہ سنکر پالنے میں آکر لیٹ گئے اور جان بحق ہوگئے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے حضرت شیخ رح کی دستار مبارک اٹھاکر اپنے سر پر رکھ لی۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ تمہارا حق نہیں ہے۔ پھر آپ واصل بحق ہوگئے۔ آپ کا مزار جامع مسجد کی پشت پہ ایک چار دیواری کے اندر ہے جسے باسلے میاں کی درگاہ" کہتے ہیں۔ اس میں آپ کی چھوٹی سی قبر پالنے نما۔ معہ چھتری دار چھوٹے سے قبہ کے بنی ہے۔ آپ کے تین اور بیٹے شیخ نصراللہ۔ شیخ محمود اور شیخ منور بھی کم سنی میں رحلت کر گئے۔ آپ کی دختران اوران کے شوہران اور انکی اولاد کا تذکرہ بوجہ طوالت متروک کر کے صرف آپ کے بیٹوں کا تذکرہ درج کیا جاتا ہے۔

شیخ احمد اپنے منجھلے بیٹے پر اگرچہ آپ بہت شفقت فرماتے تھے۔ مگر آپ نے وصیت فرمائی کہ اُن سے چھوٹے فرزند شیخ بدرالدین چشتی کو آپ رح کا سجادہ نشین بنایا جائے۔ چنانچہ بعد وفات حضرت شیخ رح۔ تیسرے بیٹے شیخ بدرالدین کو سجادہ نشین بنایا گیا۔ بالکل اُسی موافق جیسے حضرت بابا فریدالدین گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بڑے بیٹے شیخ شہاب الدین گنج العلوم کے ہوتے ہوئے۔ اپنے چوتھے بیٹے حضرت شیخ بدرالدین سلیمان چشتی رح کو اپنا سجادہ نشین بنانے کی وصیت فرمائی تھی حسن اتفاق سے یہ دونوں بدرالدین ہی نام کے ہیں۔ چنانچہ بابا فرید رح

کے صاحب سجادہ حضرت بدرالدین سلیمان ہوئے اور انہی حضرت بدرالدین سلیمان چشتی کی اولاد میں حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

جہانگیر بادشاہ کے دودھ شریک بھائی شیخ بایزید ملقب بہ نواب معظم خاں ناظم صوبہ دہلی

حضرت شیخ احمد چشتی منجھلے بیٹے حضرت شیخ رح کی زوجہ۔ دختر نواب ابراہیم پسر شیخ موسیٰ چشتی تھیں۔ شیخ موسیٰ حضرت شیخ سلیم رح کے بڑے بھائی تھے۔ انہی زوجہ شیخ احمد دختر نواب ابراہیم نے اول اول جہانگیر بادشاہ کو دودھ پلایا تھا۔ ان بی بی کے بطن سے حضرت شیخ بایزید (پوتے حضرت شیخ سلیم رح) پیدا ہوئے جو شہزادہ سلیم جہانگیر کے رضاعی (دودھ شریک بھائی) تھے۔ انہی شیخ بایزید کو جہانگیر نے نواب معظم خاں کا لقب دیا تھا۔ اور دو ہزاری منصب پر سرفراز کرکے۔ صوبہ دہلی کا ناظم مقرر کیا تھا۔ پھر اپنے سولہویں سال جلوس میں انکا منصب چار ہزاری ذات اور تین ہزار سوار۔ بڑھا کر عزت افزائی کی تھی۔ اور ان کے بیٹوں کو اپنے چھٹے سال جلوس میں مناصب عالی پر قائز کرکے صوبہ بنگال میں نواب اسلام خاں صوبہ دار بنگالہ و بہار وغیرہ کے پاس بھیجدیا تھا۔ جہانگیر نے نواب معظم خاں کے ان بیٹوں میں سے جو بنگال تعینات کیئے گئے تھے نام صرف ایک کا عبدالسلام لکھا ہے دو کے نام نہیں لکھے۔ وہ اور دو بیٹے شیخ عبدالصمد ملقب نواب اکرام خاں اور شیخ محی الدین تھے۔ یہ نواب اسلام خاں گورنر بنگالہ حضرت شیخ سلیم چشتی کے پوتے یعنی آپ کے فرزند شیخ بدرالدین چشتی رح کے بیٹے تھے۔ اصل نام شیخ علاءالدین چشتی تھا جب بنگال میں۔ شوریٰ افغانوں کی مہم بغاوت زوروں پر تھی تب جہانگیر نے نواب معظم خاں کے ان تینوں بیٹوں کو انکے چچا نواب اسلام خاں کی معاونت کیلئے

مامور کیا تھا - جہانگیر نے اپنے توزک میں لکھا ہے کہ "پہلی مرتبہ جس نے مجھے دودھ پلایا وہ والدہ شیخ بایزید نواب معظم خاں تھیں - نواب قطب الدین خاں کوکلتاش (کوکہ) جو جہانگیر کے دوسرے دودھ شریک بھائی تھے وہ حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے نواسے تھے - ان کا اصلی نام شیخ خوبو تھا - آپ جہانگیر کے اتالیق بھی تھے

نواب قطب الدین خاں کوکلتاش دوسرے دودھ شریک بھائی جہانگیر کے گورنر بنگال"

سب سے پہلے وہی بنگال کے ناظم یعنی گورنر بنائے گئے تھے اور نواب قطب الدین خاں کی والدہ حضرت بی بی خدیجہ حضرت شیخ سلیم چشتی کی بیٹی تھیں - وہ شیخ اعظم کو بیاہی تھیں - جو نواب قطب الدین خاں کے والد تھے - یہ شیخ اعظم حضرت مخدوم زین رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں چھٹی پشت میں ہیں ان مخدوم زینؒ کا مزار بھدا آلی مخدوماں میں ہے جو سرہند شریف کے نواح میں ہے - یہ مخدوم زین رح بھی حضرت شیخ بدرالدین سلیمانی پسر و خلیفہ حضرت بابا فرید گنج شکر کی اولاد میں چوتھی پشت میں ہیں اور جنکی اولاد میں حضرت شیخ سلیم چشتیؒ بھی ہیں -

جہانگیر بادشاہ نے اپنی توزک میں لکھا ہے کہ قطب الدین کی والدہ سے مجھے یہ نسبت ہے کہ ایام طفولیت میں - میں نے انکی حمایت اور تربیت میں پرورش پائی تھی جس قدر اُنس مجھے اُن سے ہے - اپنی حقیقی ماں سے نہیں ہے وہی بجائے میری والدہ مہربان کے ہیں اور میں قطب الدین خاں کو اپنے برادران اور فرزندان حقیقی سے کمتر دوست نہیں رکھتا ہوں - پھر والدہ قطب الدین خاں کے وفات کے تذکرہ کے موقعہ پر مکرّر لکھتا ہے کہ انھوں نے مجھے دودھ پلایا تھا - بجائے میری والدہ کے تھیں - میں نے اُنکی گود میں پرورش پائی ہے -

میں ان کے جنازے کے پائے کو اپنے کندھے پر رکھ تھوڑی دور تک گیا تھا اور کثرت حزن والم سے کئی دن تک کھانا کھالئے اور تبدیل لباس کی طرف میں نے میل نہیں کیا تھا۔"

ان نواب قطب الدین خان کو بنگال، بہار، اڑیسہ اور سلہٹ کا گورنر (صوبہ دار) مقرر کیا تھا۔ اپنے اول سال جلوس میں منصب پنج ہزاری ذات اور دو سو سوار پر فائز کیا تھا۔ خلعت خاصہ، شمشیر مرصع اور خاصہ معہ زین مرصع عنایت کیا تھا اور دو لاکھ روپے ذات خاص کے لئے اور تین لاکھ روپیہ دیگر اخراجات کے لئے "شیر گویان" لمکیان، مرحمت کیا تھا۔

واقعہ قتل نواب قطب الدین خان بدست علی قلی شیر افگن وقتل شیر افگن

جلوس سال دوم جہانگیر میں ۳۲ صفر ۱۰۱۶ھ کو بردوان علاقہ بنگال میں علی قلی خان استاجلو ملقب بہ شیر افگن خان (شوہر اول مہر النساء نور جہاں بیگم) کے ہاتھوں آپ قتل ہوئے تھے۔ اس واقعہ قتل کے متعلق توزک میں جہانگیر نے لکھا ہے کہ "یہ علی قلی استاجلو۔ شاہ ایران اسماعیل صفوی کا صُفرہ چین (دستر خوان مردار) تھا۔ ان کی وفات کے بعد اپنی شرارت طبع کی وجہ سے وہاں سے بھاگ کر قندھار آگیا۔ پھر وہاں سے آکر ملتان میں، خانخاناں بیرم خان سے آکر ملا۔ انہوں نے اس کو اپنے ملازموں میں داخل کر لیا۔ بوجہ حسن خدمات مناسب حال منصب پر سرفراز کیا اور اس کو والد بزرگوار (اکبر) کی خدمت میں بھیج دیا۔ ایک عرصہ تک والد کے پاس رہا۔ جب وہ (اکبر) مہمات دکن کی طرف متوجہ ہوئے اور مجھکو رانا چتوڑ (اودے پور) کے خلاف مہم پر مامور کیا تو یہ علی قلی خان، میرے پاس آکر ملازم ہو گیا۔ میں نے اس کو خطاب شیر افگن خان کا دیا تھا۔ بعد میں جن دنوں میں الہ آباد تھا (یعنی جب اکبر بادشاہ

سے سرکشی کی تھی، اور میں والد کی خدمت میں آیا۔ تو ان کی نا اتفاقی کے سبب
بہت سے میرے ملازم مجھ سے الگ ہو گئے۔ تو یہ بھی میری خدمت سے الگ ہو گیا
تھا۔ بعد میں جب میں بادشاہ ہوا تو میں نے اس کی خطائیں معاف کر دیں اور اس کو صوبہ
بنگال میں جاگیر دی، بعد کو وہاں سے میرے پاس خبریں پہنچیں کہ ایسا شخص جو فتنہ جو
اس ولایت میں رکھے جانے کے لائق نہیں ہیں تو میں نے قطب الدین خان، گورنر
بنگال، کو حکم بھیجا کہ اس کو (شیر افگن) قلی خان کو دربار میں بھیج دیں، میرا حکم پہنچتے ہی
وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ بردوان میں جو اس کی جاگیر میں تھا، گیا۔ وہ قطب الدین خان
کی آمد کی خبر پا کر تنہا دو چلودار ساتھ لے کر ان کے استقبال کو گیا۔ اور ان کے
ساتھ ہو لیا۔ اور ان سے کہا کہ مجھ کو مضمون حکم شاہی سے آگاہ کیا جائے پھر موقعہ
پا کر فی الفور تلوار کھینچ کر تین زخم کاری ان کے لگائے۔ انبہ خان کشمیری نے جو کشمیر
کے حاکم زادوں میں سے تھا اور نواب قطب الدین خان کے ہمراہیوں نے علی قلی خان
پر وار کر کے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ قطب الدین خان بھی رحمت الہٰی
میں پیوست ہو گئے۔ اس بری خبر سے کیا لکھوں کہ میں کس قدر مغموم ہوا۔ قطب الدین
خان کو کہ میرے فرزند عزیز برادر مہربان اور یار یکجہت کے برابر تھے۔ تقدیر
الٰہی میں کیا کیا جا سکتا ہے۔ رضا بہ قضا صبر سے کام لیا۔ حضرت عرش آشیانی (اکبر)
کی وفات کے بعد، قطب الدین خان کی والدہ کی وفات اور پھر خود ان کی شہادت
کے سے دو قضیئے مجھ پر سخت نہیں گذرے" (توزک جہانگیری) یہاں بے محل نہ ہوگا
اگر نور جہاں اور جہانگیر کی باہمی عشق و محبت کا فسانہ بھی بیان کر دیا جائے کیونکہ
اس رومان کا تعلق بھی تخت پر سیکری سے ہے۔

حال نور جہاں بیگم ملکہ جہانگیر

نور جہاں کا اصلی نام مہر النسا تھا۔ مرزا غیاث بیگ طہرانی کی بیٹی تھی۔ غیاث بیگ کے والد خواجہ محمد شریف حاکم خراسان تھے۔ اور بعدہ بزمانہ شاہ طہماسپ وزارت کے عہدہ پر فائز رہے۔ باپ کے انتقال کے بعد مرزا غیاث پر ادبار چھا گیا۔ بحالت تنگ دستی اپنی بیوی اور دو بیٹوں کو ہمراہ لے کر وہاں سے بھاگ کر قسمت آزمائی کے لئے عازم ہندوستان ہوئے، اثنائے راہ میں قندہار سے ایک صحرا میں گذرتے ہوئے یہ مہر النسا پیدا ہوئی مرزا نے اس کی ولادت کو منحوس جان کر اسے جنگل ہی میں ایک جھاڑی کے پاس رکھ کر چھوڑ دیا۔ اور آگے چل پڑے زیادہ دور نہ گئے تھے کہ ماں شدت والم سے ہائے میری بچی ہائے میری بچی پکار پکار کر رونے لگی تب مجبور باپ پلٹ کر گئے اور اس معصوم بچی کو اٹھا لا کر ماں کی گود میں دیدیا۔ کسے خبر تھی کہ یہی منحوس لڑکی آئندہ ملکہ ہندوستان ہوگی ہندوستان پہونچنے کے بعد اپنے ایرانی قرابت داروں کی وساطت سے مرزا غیاث فتحپور سیکری اکبر کے دربار میں پہونچے، اور ایک اچھا عہدہ مل گیا۔ بعدہ اپنی قابلیت اور کارروائی سے ترقی پاکر دیوانی بیوتات کے اعلیٰ عہدے پر فائز ہوگئے۔ اور ان کی بی بی اور مہر النسا کی رسائی محلات شاہی کی بیگمات میں ہوگئی۔ مہر النسا بے حد حسین و جمیل تھی۔ وہ اور شہزادہ جہانگیر دونوں بعہد طفلی میں محلات فتحپور سیکری میں ساتھ ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ جہانگیر اپنے کبوتر اڑا رہا تھا۔ وہ دو کبوتر مہر النسا ہاتھوں میں تھما کر دوسرے کبوتر لانے چلا گیا، واپسی پر آکر دیکھا کہ مہر النسا کے ہاتھ میں ایک ہی کبوتر ہے پوچھا کہ ایک کبوتر کیا ہوا۔ مہر ن نے نہایت بھولے پن سے کہا کہ وہ تو اڑ گیا۔ جہانگیر نے کہا کیسے اڑ گیا تو اس نے دوسرا کبوتر بھی ہاتھ سے اڑا کر

بتایا کہ ایسے اڑ گیا۔ جہانگیر اس کی اس سادگی اور دل ربا ادا پر فریفتہ ہو گیا۔ دونوں میں محبت کی پینگیں بڑھتی رہیں شدہ شدہ اکبر کو طرفین کے اس عشق و محبت کا علم ہو گیا۔ اکبر نے بخیال دور اندیشی اور پیش بندی، مہرالنسا کا عقد علی قلی بیگ استجالو ایرانی اپنے ایک منصبدار سے کر دیا جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ بعد واقعہ قتل علی قلی خان (شیر افگن) جہانگیر نے مہرالنسا کو بنگال سے طلب کر کے محل شاہی میں رکھا اور اپنی دوسری ماں رقیہ سلطانہ بیگم کے سپرد کر دیا۔ چھ سال تک مہرالنسا اپنے شوہر کے سوگ میں جہانگیر کی طرف ملتفت نہیں ہوئی۔ بعد میں جب غم فرو ہو گیا۔ تو جہانگیر سے عقد کر لیا۔ اول نور محل بیگم پھر نور جہاں بیگم کا خطاب پا کر ملکہ جہاں اور امور سلطنت میں شریک ہو کر جہانگیر پر حاوی ہو گئی، جہانگیر نے پدر نور جہاں مرزا غیاث بیگ کو خطاب اعتماد الدولہ دے کر وزارت عظمی کے منصب جلیلہ پر فائز کیا۔ نور جہاں کی ایک بیٹی شیر افگن خاں سے تھی جس کی شادی جہانگیر نے بڑی دھوم دھام سے سولھویں سال جلوس میں اپنے بیٹے شہزادہ شہر یار سے کی تھی اور برات اعتماد الدولہ کے محل میں گئی تھی جس میں جہانگیر خود معہ جملہ اہل محل شریک تھا نور جہاں کے دو حقیقی بھائی تھے۔ ایک ابوالحسن جسکو جہانگیر نے اعتقاد خاں کا خطاب دیا تھا۔ دوسرا بھائی آصف خاں تھا، جس کا خطاب یمین الدولہ تھا اور اس کی دختر بانو اختر ممتاز محل زوجہ شاہ جہاں بادشاہ تھی جس کے مزار پر آگرہ کا مشہور تاج محل کا مقبرہ ہے جو عجائبات عالم میں شمار ہوتا ہے۔ شہریار اور جہاندار دونوں شہزادے جہانگیر کی خواصوں کے بطن سے تھے خسرو پسر جہانگیر راجہ مان سنگھ جے پور کی بہن کے بطن سے تھا اور شہزادہ خورم شاہجہان پسر جہانگیر جودھ پور کے راجہ اودے سنگھ پسر مالدیو کی بیٹی جگت گسائیں کے بطن سے تھا۔ جہانگیر ایک بیٹی سلطان النسا خسرو کی حقیقی بہن تھی از بطن ہمشیرہ مان سنگھ

اور ایک بیٹا شاہزادہ پرویز پسر جہانگیر جہانگیر کی زوجہ دختر زین خان کوکہ کے بطن سے تھا۔ جہانگیر کی ایک بیٹی بہار بانو بیگم راجہ کیشوداس راٹھور (بیکانیر) کے بطن سے تھی۔ جس کا نام کرمتی تھا۔ خسرو نے جہانگیر سے حصول سلطنت کی خاطر بغاوت کی تھی جس کی وجہ سے شرم و ندامت سے والدہ خسرو نے خودکشی کر لی خسرو مقید ہو کر عمر بھر قید میں رہا آخر میں قصور معاف ہوا۔ نور جہاں نے چاہا تھا کہ جہانگیر کے بعد اس کا بیٹا شہریار داماد نور جہاں بادشاہ ہو، مگر اس کو ناکامی ہوئی اور شاہجہان ہی بادشاہ ہوا۔

شیخ علاؤالدین ملقب بہ فرزند نواب اسلام خان گورنر بنگال پوتے حضرت شیخ سلیم

بعد وفات نواب قطب الدین خان کوکہ جہانگیر نے ان کے بجائے شیخ علاؤالدین چشتی پسر شیخ بدرالدین چشتی یعنی پوتے حضرت شیخ سلیم چشتی کو جو قطب الدین خان کے ماموں زاد بھائی تھے۔ اور سجادہ نشین حضرت سلیم چشتی بھی تھے۔ بنگال بہار، اڑیسہ اور سلہٹ کا گورنر یعنی صوبہ دار مقرر کیا۔ آپ کا سال پیدائش ۹۷۰ھ ہے۔ تاریخ پیدائش اس مصرعہ سے نکلتی ہے۔ "کریم ابن الکریم ابن الکریم"۔ اول جہانگیر نے ان کو صوبہ آگرہ کا ناظم مقرر کیا تھا۔ بعد وفات قطب الدین خان کوکہ آپ کو لقب فرزند اور خطاب نواب اسلام خان دے کر ان کا جانشین کیا جہانگیر نے اپنے پسر شاہزادہ جہاندار کی تربیت بھی ان کے سپرد کی تھی۔ بعد میں ولایت بنگالہ بھی ان کو انعام میں دی تھی، منصب چار ہزاری ذات اور تین ہزار ذات سے ترقی دے کر چھ ہزار ذات کر دیا تھا۔ جہانگیر کے جلوس کے ساتویں سال میں نواب اسلام خان نے بنگال کو سوری افغانوں کی بغاوت سے پاک کر دیا تھا۔ بغاوت

کا سرغنہ عثمان خان افغان مارا گیا۔ اور نواب اسلام خان کی طرف سے شیخ ابراہیم ملقب بہ کشور خان فرزند نواب قطب الدین خان کوکہ شہید ہوئے تھے اس مہم میں شیخ عبدالسلام پسر شیخ بایزید نواب معظم پسر شیخ احمد چشتی فرزند حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ بھی شہید ہوئے تھے۔ شیخ بایزید معظم خان، نواب قطب الدین خان کے ماموں زاد بھائی اور نواب اسلام خان کے تایا زاد بھائی تھے۔ اور خود جہانگیر کے دودھ شریک بھائی تھے۔ اور صوبہ دہلی کے ناظم اور چار ہزاری منصب دار تھے۔ نواب اسلام

بنگال میں نواب اسلام کی انتظامی قابلیت کی تعریف جہانگیر کی زبانی۔

خان کے تین بیٹے تھے (۱) شیخ فضل اللہ (۲) شیخ معظم (۳) شیخ مودود۔ شیخ مودود چشتی کو جہانگیر نے چشتی خان کا لقب دے کر بنگال میں تعینات کیا تھا۔ جہانگیر نے توزک میں لکھا ہے کہ عثمان خان افغان کی مہم سر کرنا، اسلام خان کا ایسا کارنمایاں ہے کہ ان سے پیشتر کسی حاکم سے سرانجام نہیں ہوا تھا جو کارروائی کے جوہر اسلام خان سے ظاہر ہوئے کسی دوسرے سے ظاہر نہیں ہوئے، حکومت بنگال نے ان سے استقلال پایا۔ جو ولایتیں کسی سابق جاگیرداروں کے ہاتھوں تصرف دولت شاہی میں آئی تھیں، وہ ولایتیں اسلام خان کے ذریعہ داخل تصرف شاہی ہوئیں اگر وہ اور زندہ رہتے اور بھی کارنامے انجام دیتے۔"

نواب اسلام خان نے شہر ڈھاکہ اور جہانگیر نگر واقع بنگال کی بنیاد ڈالی۔

نواب اسلام خان کی وفات سنہ ۱۰۲۲ھ میں بمقام ڈھاکہ (بنگال) ہوئی۔ اس شہر کی بنیاد انہوں نے ہی ڈالی تھی۔ پہلے اس کا نام اسلام آباد اور جہانگیر نگر رکھا تھا۔ شہر جہانگیر نگر (بنگال) بھی ان ہی نواب اسلام خان کا بنا کیا ہوا ہے

اس کا نام بھی اسلام آباد رکھا تھا۔ ان کی تاریخ وفات اس مصرعہ سے نکلتی ہے
ع "خرد گفتا نماند اسلام خاں حیف" آپ کا جنازہ ڈھاکہ سے فتح پور سیکری لایا گیا اور
مقبرہ گنبد نواب جی" میں مدفون ہوئے، آپ کے مزار کے اوپر بھی کٹہرہ اسائبان
اور قبہ لکڑی کا بنا ہوا ہے۔ جو اعلیٰ قسم کی خوشبودار تھی۔

نواب اسلام خاں کی کرامت اور سلب وفات کہ جہانگیر کا مرض سلب کر کے خود وفات پا گئے

جہانگیر نے توزک میں لکھا ہے کہ ایک ایسے شخص نے جس کی بات صدق کی روشنی سے آراستہ ہے۔ مجھے سنایا کہ جس زمانہ میں مجھے کمزوری اور تھکاوٹ سے بمقام اجمیر مرض لاحق ہو گیا تھا۔ تو قبل اس کے کہ یہ خبر بنگال پہونچے۔ ایک دن اسلام خاں تنہائی میں بیٹھے سوئے تھے کہ اچانک بیہوش ہو گئے جب ہوش میں آئے تو ایک اپنے معتمد مسمی بھیکن سے کہا کہ مجھے عالم غیب سے ایسا دکھایا گیا ہے کہ بادشاہ کو مرض لاحق ہو گیا ہے اور اس کا علاج کسی ایسی چیز کو جو نہایت عزیز ہو قربان کرنا ہے۔ میرے دل میں پہلے یہ بات آئی کہ اپنے بیٹے ہوشنگ کو (اصل نام شیخ فضل اللہ ہے جہانگیر نے مرزا ہوشنگ نام رکھا تھا۔ بعد میں نواب اکرم خاں خطاب دیا) بادشاہ کے اوپر قربان کر دوں لیکن چونکہ وہ خورد سال ہے اور ابھی کچھ لطف زندگی نہیں اٹھایا ہے۔ مجھے ان پر رحم آگیا اور میں خود اپنے تئیں کو اپنے صاحب اور مربی پر فدا کرتا ہوں۔ امید ہے کہ صمیم قلب اور صدق باطن سے میں ایسا کرتا ہوں میری خواہش بارگاہ الٰہی مقبول ہوگی۔ فی الفور دعا کا تیر قبولیت کے نشانہ پر لگا۔ اسی وقت ضعف اور بیماری کا اثر اپنے میں محسوس کیا۔ آناً فاناً مرض شدید ہو گیا یہاں تک کہ جوار رحمت ایزدی میں پیوست ہو گئے۔ اور خدا نے مجھے فوری صحت

بخشی" (از توزک جہانگیری)

جہانگیر کی بیماری بمقام اجمیر، باعث وفات نواب اسلام خان۔

جہانگیر نے توزک میں اپنے سفر اجمیر شریف اور وہاں بیمار ہو جانے کا حال دوسری جگہ اس طرح لکھا ہے کہ میں نے اپنے جشن ہشتمیں سال ۱۰۲۲ھ میں اجمیر کا سفر اختیار کیا جب روضہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا ایک کوس دور سے نظر آیا تو میں پیدل ہو لیا۔ اور راستہ کے دونوں طرف فقرا اور حاجتمندوں کو روپے دلواتا ہوا چلا۔ میں آگرہ سے ایک بہت بڑی دیگ بنوا کر روضہ خواجہ صاحب کے لئے لے گیا تھا۔ اس میں کھانا پکوا کر فقرا کو کھلوایا۔ پانچ ہزار شخصوں نے سیر ہو کر کھایا یہ دوران قیام اجمیر وہاں مجھے بخار اور درد سر ہو گیا۔ اس خیال سے کہ سارے ملک میں خلل واقع نہ ہو میں نے اپنی بیماری کو سوائے نورجہاں کے کسی اور پر ظاہر نہیں کیا نہ اطبا اور حکیموں کو خبر کی۔ ثقیل غذا سے پرہیز کرتا رہا۔ تھوڑی سی ہلکی غذا پر قناعت کی اور ہر روز دیوان عام اور درشن جھروکہ اور غسل خانہ میں حسب معمول آتا رہا جب میرے بشرہ سے آثار ضعف ظاہر ہونے لگے تو بعض بزرگ میرے حال سے مطلع ہو گئے تب میں نے معتمد حکیم اور طبیب حکیم مسیح الزمان اور حکیم ابوالقاسم اور حکیم عبدالشکور سے حال بیان کر دیا۔ لیکن جب بخار نے نہیں چھوڑا تو روضہ منورہ خواجہ صاحب پر جا کر اپنی صحت کے لئے دعا مانگی اور صدقات اور نذریں دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے صحت عطا کی بائیس دن بعد پوری صحت ہو گئی۔ اسی صحت کی منت میں جہانگیر نے اپنے دونوں کان چھدوا کر ان میں بالیاں ڈالیں۔"

نواب اسلام خان کی وفات کے بعد ان کی جگہ ان کے حقیقی بھائی شیخ

نواب محتشم خان برادر نواب اسلام خان ناظم الہ آباد اور گورنر بنگال!

قاسم کو نواب محتشم خان کا خطاب دے کر جہانگیر نے صوبہ بنگال کا ناظم مقرر کیا۔ اس سے قبل ان کو صوبہ الہ آباد کا ناظم مقرر کیا تھا اور پنج ہزاری منصب دیا تھا۔ بنگال کی گورنری پر فائز ہونے کے دو سال بعد آپ کی وفات ۱۰۲۱ھ میں ہو گئی آپ کا مزار بھی گنبد نواب جی" بہ گوشہ شمالی مغرب میں ہے اور حجرۂ مزار کے دروازہ پر یہ قطعۂ تاریخ ثبت ہے آپ کا جنازہ بھی بنگال سے لاکر نواب جی کے گنبد میں دفن کیا گیا۔

سرآمد امیر جہاں محتشم خاں
چو زین دار فانی بہ عقبیٰ گذر کرد

سروش خرد گفت تاریخ فصلش
بزرگ زمانہ بہ عالم سفر کرد

سجادہ نشینی نواب اکرام خان ناظم صوبہ آگرہ۔

نواب اسلام خان (شیخ علاؤ الدین چشتی) کی سجادہ نشینی کے بعد ان کے بیٹے شیخ فضل اللہ جن کا نام جہانگیر نے مرزا ہوشنگ رکھا تھا اور نواب اکرام خان لقب دیا تھا سجادہ نشین درگاہ حضرت شیخ سلیم چشتیؒ ہوئے آپ کی والدہ بی بی راشدہ تھیں جو شیخ حاجی حسین عثمانی شیخ امیر ماقلہ، خلیفہ حضرت شیخ سلیم چشتیؒ اور متولی درگاہ کی دختر نیک اختر تھیں۔ جہانگیر نے ان کو صوبہ آگرہ کا ناظم بھی مقرر کیا تھا، نظامت صوبہ آگرہ کی حسن خدمت کے صلہ میں جہانگیر نے انکا منصب اپنے تیرھویں سال جلوس میں ایک ہزار پانچ سو ذات اور ایک ہزار سوار بڑھا دیا تھا۔ آپ کی وفات ۱۰۳۰ھ میں ہوئی آپ لاولد رہے

نواب معظم خان ثانی سجادہ نشین ناظم آگرہ

آپ کا نام شیخ معظم اور نواب معظم خان لقب تھا۔ آپ نواب اسلام خانؒ کے دوسرے بیٹے اور نواب اکرام خان کے حقیقی بھائی، شیخ حاجی حسینؒ کے بھانجے تھے۔ نواب اکرام خان اپنے بھائی کے فوت ہو

کے بعد آپ سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کا لقب بھی نواب معظم خان تھا مگر یہ دوسرے نواب معظم خان ہیں۔ پہلے نواب معظم خان شیخ بایزید تھے۔ جو بیٹے تھے شیخ احمد چشتی فرزند دوم حضرت شیخ سلیم چشتی کے اور جہانگیر کے رضاعی (دودھ شریک) بھائی تھے۔ اور ان کو جہانگیر نے صوبہ دہلی کا حاکم اور چار ہزاری منصب دیا تھا۔

یہ نواب معظم خان ثانی، سجادہ نشین بھی اپنے بھائی نواب اکرام خان کی جگہ بدستور صوبہ آگرہ کے ناظم رہے۔

نواب مکرم خان سجادہ نشین ناظم آگرہ اور گورنر بنگال

آپ کا نام شیخ مکرم اور لقب نواب مکرم خان تھا۔ شیخ معظم نواب معظم خان سجادہ نشین کے بیٹے تھے۔ بعد وفات پدر خود سجادہ نشین ہوئے جہانگیر نے نواب مکرم خان خطاب دیا تھا۔ یہ بھی بدستور سابق اپنے والد کی جگہ صوبہ آگرہ کے ناظم رہے۔ جہانگیر نے آپ کو اپنے آٹھویں سال کے جشن جلوس میں علم خاص عطا کیا تھا۔ اور اکیسویں سال جشن جلوس میں آپ کو آگرہ سے صوبہ بنگال کے نظم ونسق کے لئے مامور کیا تھا۔ تزک جہانگیری میں لکھا ہے کہ آپ صوبہ بنگال کے انتظام کے بعد کامیاب و بامراد واپس آنے کو تھے کہ جہانگیر نے آپ کے نام اپنا خاص شاہی فرمان روانہ کیا تھا۔ نواب مکرم خان ایک کشتی میں سوار ہوکر حسب رواج و دستور شاہی اس فرمان کے استقبال کے لئے روانہ ہوئے راستہ میں نماز عصر ادا کرنے کے لئے کشتی کو رکوا دیا۔ ناگہاں دریا میں طغیانی اور طوفان آگیا اور ہوا کے زور سے کشتی الٹ گئی اور موصوف معہ ہمراہیاں غرق دریا ہوکر واصل بحق ہوگئے۔ آپ کا جنازہ بھی بنگال سے فتحپور سیکری لاکر گنبد نواب جی میں بگوشہ شمال مغرب دفن کیا گیا حجرہ مزار کے دروازہ پر تاریخ وفات ثبت ہے۔

چو خانِ مکرم ز طوفان دنیا   فرو برد کشتی بہ دریائے وحدت
بفرمود در خواب، تاریخ خود را   کہ سال وصالم شفاعۃ داللہ رحمت

سنہ ۱۱۰۲ھ

دیوان شیخ اسلام محمد چشتی سجادہ نشین دیوان و فوجدار	آپ لاولد رہے۔ نواب مکرم خان کے بعد شیخ قاسم نواب محتشم خان کے پوتے شیخ اسلام محمد پسر شیخ نور محمد ولد نواب محتشم خان سجادہ نشین

ہوئے۔ ان کے عقد میں شیخ معظم نواب معظم خان سابق سجادہ نشین کی دختر صالحہ بیگم تھیں۔ یہ شیخ اسلام محمد پہلے ملک بڑودہ (گجرات) کے ناظم تھے۔ بعد کو ترک روزگار کر کے چلے آئے بعد انتقال نواب مکرم خاں جو لاولد تھے۔ آپ کو سجادہ نشین بنایا گیا۔ آپ کو بفرمان شاہی پرگنہ فتح پور سیکری مدد معاش کے لیئے دیا گیا، نیز معاملات دیوانی اور مقدمات فوجداری بھی فیصل کرنے کے لئے بادشاہ وقت آپ کے پاس بھیجا کرتا تھا۔ اس لیئے آپ کا لقب دیوان شیخ اسلام محمد مقرر ہوا تھا۔

شیخ محی الدین چشتی سجادہ نشین	دیوان شیخ اسلام محمد کے بعد ان کے بیٹے شیخ محی الدین سجادہ نشین ہوئے آپ لاولد رہے۔
شیخ ولی محمد چشتی سجادہ نشین	شیخ محی الدین کے بعد ان کے حقیقی بھائی شیخ ولی محمد پسر دیوان شیخ اسلام محمد سجادہ نشین ہوئے۔
شیخ عبدالصمد چشتی سجادہ نشین	بعد وفات شیخ ولی محمد چشتی ان کے بڑے بیٹے شیخ عبدالصمد ملقب بہ عبدالصمد خان، سجادہ نشین ہوئے ان کی زوجہ دختر شیخ لطف اللہ

عثمانی تھیں جو ملک العلما قاضی شیخ ابومسلم عثمانی دحبد امجد حضرت حاجی حسین کی اولاد میں تھے۔

شیخ احمد چشتی سجادہ نشین | بعد وفات شیخ عبدالصمد چشتی سجادہ نشین ان کے بیٹے شیخ احمد چشتی ملقب بہ شیخ احمد چشتی خاں۔ سجادہ نشین ہوئے تاریخ وفات ۱۱۸۱ھ ہے آپ کا مدفن دہلی میں ہے۔

شیخ علی احمد چشتی سجادہ نشین | بعد وفات شیخ احمد چشتی سجادہ نشین۔ ان کے بیٹے شیخ علی احمد چشتی سجادہ نشین ہوئے۔ مگر آپ لاولد رہے آپ کی قبر سنگ مرمر کی چھوٹے فرش پر یعنی مقبرہ حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے سامنے کے سنگ مرمر کے فرش پر ہے۔ جس پر تاریخ وفات ثبت ہے۔

شیخ علی احمد ازیں دار فنا　　کرد منزل چون بہ جنات النعیم

گفت تاریخ وفاتش ہاتفی　　بود کامل نائب شیخ سلیم

۱۲۱۶ھ

مگر قلمی فارسی کتاب میں لکھا ہے کہ آپ کا صحیح سال وفات ۱۲۱۴ھ ہے۔

۱۴ ذی الحجہ ہے۔ مصرعہ تاریخ میں اعداد میں دو سال زائد نکلتے ہیں

شیخ کاظم علی چشتی سجادہ نشین | بعد وفات شیخ علی احمد چشتی سجادہ نشین، ان کے بھتیجے شیخ کاظم علی چشتی، پسر شیخ محمد باقر چشتی سجادہ نشین ہوئے۔ یہ شیخ محمد باقر شیخ احمد چشتی کے بیٹے اور شیخ علی احمد چشتی کے بھائی تھے۔ شیخ محمد باقر کو شاہ عالم بادشاہ دہلی نے محمد باقر علی خاں کا خطاب دیا تھا۔ ان شیخ محمد باقر کی زوجہ شریفہ مشہور بزرگ زمانہ شیخ پیر محمد عباس کی پہلی بیٹی بی بی زینب تھیں۔ ان کے بطن سے شیخ کاظم علی چشتی پیدا ہوئے اور انہی شیخ پیر محمد عباسی کی دوسری بیٹی بی بی منی جی شیخ امیراللہ عثمانی کی زوجہ تھیں اور یہ شیخ امیراللہ عثمانی بھی ملک العلما قاضی شیخ ابومسلم عثمانی کی اولاد میں اور خاندان شیخ حاجی حسین عثمانیؒ سے ہیں۔

شیخ عبدالحی چشتی سجادہ نشین | بعد وفات شیخ کاظم علی چشتی، ان کے بڑے بیٹے شیخ عبدالحیؒ چشتی سجادہ نشین ہوئے ان کے زمانہ ۱۸۵۷ء کی مشہور جنگ آزادی، حکومت انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف واقع ہوئی تھی جس کو غدر ۵۷ء مشہور کیا گیا، اور جس کی تاریخ اس مشہور شعر سے نکلتی ہے۔

دکھایا وہ سال مصیبت قضا نے۔ ہوئی جس کی تاریخ غدر جہانی

(از مولوی سلیم الدین تسلیم عثمانی نارنولی ۱۳۰۱ھ)

اس ہنگامہ میں مجاہدین آزادی کے غازیوں کا قبضہ فتح پور سیکری پر ہو گیا تھا۔ مجاہدین نے آپ کو اپنا پیشوا بنا لیا، مگر انگریزی افواج نے سکھوں اور ہندو راجاؤں کی مدد سے مجاہدین کو شکست دی اور ہنگامہ دار و گیر و کشت و خون بپا کیا، جس کی ہولناکی کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس ہنگامہ دار و گیر میں شیخ عبدالحیؒ صاحب کو معہ اپنے اہل و عیال کے مکہ معظمہ کو ہجرت کرنی پڑی اس زمانہ غیر حاضری میں شیخ تفضل حسین جو بیٹی والوں کے خاندان شیخؒ سے تھے، سجادہ نشین ہو گئے جب امن قائم ہو گیا تو آپ کے صاحبزادے شیخ عبدالعزیز چشتی واپس تشریف لاکر مسند آرائے سجادگی ہو گئے اور فریق مخالف نے حکومت انگریزی سے آپ کے

شیخ عبدالعزیز چشتی سجادہ نشین | خلاف بغاوت حکومت کا استغاثہ کیا مگر بہ تائید ایزدی آپ ہی سجادہ نشین برقرار رہے اور مخالف ناکامیاب رہے۔ شیخ عبدالعزیز صاحب کے برادر خورد شیخ احتشام علی چشتی سلسلہ نقشبندیہ میں منسلک تھے۔ اور بڑے اہل اللہ بزرگ تھے۔ آپ مجرد رہے۔

شیخ محمد فضل رسول چشتی سجادہ نشین | شیخ عبدالعزیز چشتی صاحب کی وفات کے

بعد آپ کے بیٹے شیخ محمد فضل رسول چشتیؒ سجادہ نشین ہوئے آپ کی زوجہ محترمہ بنت شیخ احمد حسین عثمانی کی دختر نیک اختر بشیر النسا بیگم تھیں۔ شیخ احمد حسین بھی از اولاد ملک العلما قاضی ابو مسلم عثمانی اور خاندان شیخ حاجی حسین عثمانی سے ہیں۔ شیخ محمد فضل رسول صاحب چشتیؒ کے دو بیٹے شیخ محمد علیم چشتی سلمہٗ اور شیخ محمد سلیم چشتی ہوئے آپ نے اپنی اواخر عمر میں اپنی حین حیات اپنے بڑے صاحبزادے شیخ محمد علیم صاحب سلمہ کو اپنی جگہ سجادہ نشین کر دیا۔ اور خود گوشۂ عزلت اختیار کیا اور چند سال بعد رحلت فرمائی۔

شیخ محمد علیم چشتی سجادہ نشین دام فیضہٗ

آپ بفضلہ شیخ محمد علیم مدظلہٗ مسند آرائے سجادگی ہیں۔ چھوٹے بھائی محمد سلیم چشتی کا عالم شباب میں ۱۸ دسمبر ۱۹۵۹ء پاکستان سے واپس وطن جاتے ہوئے اثناء سفر میں انتقال ہوگیا۔ ان کے بیٹے محمد شمیم سلمہ و محمد حلیم سلمہ ہیں۔ شیخ محمد علیم چشتی سجادہ نشین کے دو بیٹے شیخ محمد نسیم چشتی سلمہ اور شیخ محمد کلیم چشتی سلمہ پاکستان میں معزز عہدوں پر فائز ہیں ان کی والدہ جو دختر سید عنایت علی صاحب ساکن کمبل کٹرہ آگرہ تحصیل سہ ۱۹۱۷ء میں راہی ملک بقا ہوگئیں۔ شیخ محمد علیم صاحب کی زوجہ ثانی دختر پیر جی شاہ عبدالصمد صاحب چشتی دہلوی ہیں جو از اولاد خواجہ شیخ مودود چشتیؒ ولد شیخ بدرالدین سلیمان چشتیؒ پسر حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ ہیں۔ ان ہی حضرت شیخ مودود چشتی پوتے بابا فرید گنج شکرؒ کی اولاد میں حضرت شیخ سلیم چشتیؒ بھی ہیں۔ زوجہ ثانی سے تیسرے بیٹے محمد خورشید علیم چشتی سلمہ ہیں۔ پیر جی شاہ عبدالصمد صاحب مرحوم کے بڑے صاحب زادے شاہ ثنا الدین حاجی میاں آج کل سجادہ نشین

کا شانۂ فاروقی دہلی واقعہ کوچہ پنڈت ہیں۔

دیگر حالات حضرت شیخ سلیم چشتیؒ

حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے صرف ان بیٹوں اور ان کی اولاد کا یہاں تذکرہ کیا گیا ہے جو مسند سجادہ نشینی پر متمکن ہوئے دیگر بیٹے اور بیٹیوں کی اولاد کا حال بوجہ طوالت تحریر کرنا غیر ضروری سمجھ کر ترک کیا گیا کیونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مثلاً شیخ قاسم چشتی ملقب نواب محتشم خان برادر نواب اسلام خان کے پوتے تھے۔ شیخ فرید، شیخ نور محمد بدید لیوان شیخ اسلام محمد سجادہ نشین شیخ احمد، شیخ افضل، شاہ منور، خواجہ موسیٰ، شاہ انوار، شیخ ہاشم شیخ محمد حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کی اولاد کا بیان کتاب مطبوعہ جواہر فریدی میں مشرح ہے۔ نیز قلمی فارسی غیر مطبوعہ کتاب میں بھی تفصیلی حالات درج ہیں۔ عہد جہانگیر بادشاہ میں حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے پوتے اور پڑپوتے بہ حیثیت ناظم صوبہ دہلی آگرہ الہ آباد، بہار، آڑیسہ، آسام و بنگال نظم و نسق سلطنت میں کار ہائے نمایاں انجام دیتے رہے جن کا اعتراف جہانگیر نے کیا ہے۔

خلفا و مریدان حضرت شیخ سلیم چشتیؒ

جواہر فریدی میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے مریدین و خلفا، عرب اور ہندوستان میں بہت ہیں جن میں خاص خاص یہ ہیں، شیخ فتح اللہ سنبھلی یہ فتح اللہ کے نام سے مشہور ہیں پٹھانوں کے ترین قبیلہ سے ہیں۔ ان کے لئے حضرتؒ فرماتے تھے "فتح اللہ ترین از ما از ما بہترین نیز از" سنبھل ضلع مراد آباد ہندوستان میں ہے۔ اور یہ بھی مشہور رہا ہے کہ آپ کا مزار دو مقام پر ہے۔ دوسرے مقام کا نام یاد نہیں رہا۔ شیخ کمال الوری عمزادہ حضرت شیخؒ شیخ طہٰ، گجراتی، شیخ پیارے ٹانڈوی، شیخ محمد شروانی پٹن شیخ محمد بخاری

اور شیخ جیو ادہلی، شیخ کبیر بن شیخ عبدالواحد سارنگپوری، شیخ محمد لوری و شیخ ابراہیم بھدالوی، شیخ ولی بن شیخ یوسف مہو، شیخ عمار بن شیخ معروف گوالیاری، شیخ یوسف کشمیری، شیخ رکن الدین بن شیخ عجائب از نسل ملک العلما قاضی ابومسلم عثمانی، شیخ امیر فاتلہ حاجی حسین عثمانی۔ خادم و مقرب خاص ہمدم محرم راز و متولی انداد لاد ملک العلما قاضی شیخ ابومسلم عثمانی فتح پور سیکری، شیخ سدھاری بنی اسرائیل سید حسین و عبدالواحد ساکن دہلی، شیخ جلال و شیخ ابراہیم صوفی، حافظ امام سرہندی اور عبدالواحد آگرہ۔ لکھا ہے کہ آپ کی نظر اکسیر اثر تھی جس پر نظر ڈالتے تھے منور ہو جاتا تھا۔ اور جس شخص پر آپ کے مرید نظر ڈالتے تھے وہ بھی مقبول بارگاہ الٰہی ہو جاتا تھا اس جواہر فریدی میں حضرت شیخ رح کے اسما کا ایک وظیفہ بھی لکھا ہے جو درج ذیل ہے۔ "مردان خدا خدا نہ باشند" "لیکن زخدا جدانہ باشند"

وظیفہ بتوسل اسمائے حضرت شیخ سلیم چشتی رح

لکھا ہے کہ زہے عظمت و کرامت شیخ الاسلام مخدوم شیخ سلیم چشتی کہ ہر کس اس مقام کے لائق نہیں ہے۔ نقل ہے کہ اکیس نام حضرت شیخ علیہ الرحمتہ کے ہیں اگر کوئی اعتقاد سے ان کے ذریعہ دعا مانگے تو مقصد بر آئے (۱) الٰہی بحرمت سلطان الفقرا حضرت سلیم چشتی (۲) الٰہی بحرمت قطب الاولیا، حضرت سلیم چشتی (۳) الٰہی بحرمت غوث الاتقیا حضرت سلیم چشتی (۴) الٰہی بحرمت اکمل الکاملین مولانا سلیم چشتی (۵) الٰہی بحرمت قدوۃ المجاہدین مولانا سلیم چشتی (۶) الٰہی بحرمت زبدۃ المجاہدین مولانا سلیم چشتی (۷) الٰہی بحرمت معراج السالکین مولانا سلیم چشتی (۸) الٰہی بحرمت برہان المتقین مولانا سلیم چشتی (۹) الٰہی بحرمت سراج السالکین۔ مولانا سلیم چشتی (۱۰) الٰہی بحرمت "تاج العاشقین

مولینا سلیم چشتی (۱۱) الہی بحرمت مفتاح الجنان العالمین مولانا سلیم چشتی (۱۲) الہی بحرمت معشوق العاشقین مولانا سلیم چشتی (۱۳) الہی بحرمت محبت العارفین مولانا سلیم چشتی (۱۴) الہی بحرمت بدر الزاہدین مولانا سلیم چشتی (۱۵) الہی بحرمت ہادی الطریقت مولانا سلیم چشتی (۱۶) الہی بحرمت ثقافت العابدین خواجہ سلیم چشتی (۱۷) الہی بحرمت ناصر الحق والدین مولانا سلیم چشتی (۱۸) الہی بحرمت حاجی الحرمین مولانا سلیم چشتی (۱۹) الہی بحرمت بحر الحقیقت مولانا سلیم چشتی (۲۰) الہی بحرمت عماد المعرفت مولانا سلیم چشتی رحمتہ علیہ (۲۱) الہی بحرمت معدن الشریعت مولانا سلیم چشتی۔

سالانہ عرس حضرت شیخ سلیم رح

حضرت شیخ سلیم چشتی رحمتہ اللہ علیہ کا وصال رمضان المبارک کی ۲۸ اور ۲۹ کی درمیانی شب میں ہوا۔ اس لئے آپ کا سالانہ عرس ماہ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں بمقام درگاہ فتح پور سیکری۔ ضلع آگرہ ہندوستان ہوتا ہے قل ۲۹ دیں شب کو ہوتا ہے۔ مجالس قوالی خانقاہ میں اس عشرہ میں ۱۰ بجے دن تا ۱ بجے دن ہوتی ہیں۔ بوجہ رمضان شریف اور قرب عید الفطر دور دراز کے مقامات کے لوگ کم شریک ہوتے ہیں۔ دوکاندار البتہ دور دور سے آتے ہیں پہلے فتحپور سیکری میں ریل نہیں تھی۔ آگرہ اور اچھنیرہ جنکشن ریل اسٹیشن سے پکی سڑک سے لوگ آتے تھے ۱۹۱۳ء سے آگرہ بیانہ شاخ بی بی سی آئی ریلوے براڈ گیج لائن پر فتحپور سیکری کا ریلوے اسٹیشن بن گیا اسٹیشن پر ویٹنگ روم اول درجہ کا اور مغربی سیاحوں کے قیام کے لئے ڈاک بنگلہ محلات شاہی سے متصل ۱۹۰۴ء میں لارڈ کرزن وائسرائے ہند نے بنوا دیا ہے۔ شہر میں ایک شاہی زمانے کی وسیع سرا ہے جو اب شکستہ حالت میں ہے۔ چونکہ درگاہ شریف جامع مسجد و مقبرہ

کے ساتھ ساتھ یہاں اکبر بادشاہ کے شاہی محلات بھی بہت سے ہیں جو قابل دید ہیں۔ لہٰذا ان کا مختصر اور صحیح حال بطور ضمیمہ شامل کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اکثر محلات غلط غلط ناموں سے منسوب کر دیئے گئے ہیں اور محکمہ آثار قدیمہ نے بلا تحقیق بازاری گپ بازیوں کو صحیح مان کر وہی نام ان عمارات اور محلات کی تختیوں پر نصب کر دیئے ہیں، خاص خاص محلات کے اور جامع مسجد اور مقبرہ حضرت شیخ رح کے فوٹو بھی شامل کئے گئے ہیں۔

اکبر کے عقائد دینی پر تبصرہ

اس کتاب میں آپ نے دیکھا کہ اکبر بادشاہ اپنی نوعمری اور اوائل سلطنت میں، مذہب کا کیسا پکا سنی عقیدے کا پیرو اور اولیاء اللہ کا معتقد تھا۔ حضرت شیخ سلیم چشتی رح کا مرید تھا۔ گو اکبر تعلیم سے بے بہرہ تھا مگر اس کو ایسے ندیم مصاحب، مشیر اور وزراء ملے جو علم و فضل میں یکتا تھے۔ مثلاً علامہ شیخ مبارک جو مذہبا شیعہ تھے اور ان کے دو نامور عالم و فاضل بیٹے علامہ فیضی اور ابوالفضل جو بڑے فلاسفر و سوفسطائی، مذہبی رسوم اور پابندیوں سے آزاد معتزلہ عقیدے کے تھے۔ اکبر کے نو عدد نورتن وزرا مشہور ہیں۔ جو حکمت و دانائی و علمی قابلیت میں منتخب دوران تھے۔ (۱) ابوالفیض فیضی، سنسکرت کا فاضل ملک الشعرا، مصنف نل دمن، مہابھارت کا فارسی نظم میں ترجمہ کیا۔ ویدوں کا اور سنسکرت کی تاریخ کشمیر اور رامائن کا ترجمہ، اور علم ریاضی میں لیلاوتی تا بھاسکر آچاریہ کا فلسفہ میں اور گیتا کا مترجم، یہ سب ہندوں کی کتابیں ہیں۔ فارسی میں سلیمان بلقیس ہفت کشور، دور محزن، اکبر نامہ بجواب سکندر نامہ اور عربی میں تفسیر سواطع الالہام بے نقط کا مصنف (۲) فیضی کا چھوٹا بھائی ابوالفضل وزیر اعظم اور روزنامچہ نگ

(۳) راجہ ٹوڈرمل قوم کا کھتہ وزیر خزانہ (۴) مرزا عبدالرحیم خانخاناں پسر بیرم خان آتالیق اکبر، عربی اور سنسکرت کا عالم، ہندی بھاشا اور فارسی کا شاعر (۵) مہیش داس عرف بیربل قوم بھاٹ درائے جس نے خود کو برہمن ظاہر کرکے ایک برہمن پنڈت سندرلال سے سنسکرت میں فضیلت حاصل کی اور فارسی میں بھی مہارت پیدا کی (۶) زین خان کوکہ (اکبر کا رضاعی بھائی) عربی کا عالم فن موسیقی میں ماہر ستار اور دو تارہ باجوں کا موجد (۷) ملا عبدالقادر بدایونی (سابق گیلانی) صاحب منتخب التواریخ فاضل اجل، اکبر کا سیکرٹری (۸) تان سین گویا، موسیقار نامور دیپک راگ کا ماہر جس سے آگ لگا دیتا تھا۔ روتے کو ہنساتا، ہنستے کو رولاتا۔ جاگتے کو سلاتا۔ اکبر کی ناک کا بال تھا (۹) عضد الدولہ حکیم ابوالفتح گیلانی۔ ملا عبدالقادر کے سوتیلے بھائی عالم متبحر، ان نورتنوں کے علاوہ اور بھی علما و فضلاء دربار تھے۔ حکیم ہمام ابوالفتح حکیم فتح اللہ شیرازی، ملا عبداللہ سلطان پوری مخدوم الملک قاضی القضاۃ شیخ عبدالنبی صدر الصدور، راجہ مان سنگھ (آمیر) جے پور کا راجہ جس کی پھوپی اکبر کی بیگم تھی وغیرہ وغیرہ باوجودیکہ مرزا عبدالرحیم، ملا عبدالقادر، حکیم ابوالفتح حکیم ہمام، حکیم فتح اللہ شیرازی پکے مسلمان اور سچے دیندار تھے اور مخدوم الملک اور صدر الصدور تو عالم دین بھی تھے کہ اکبر ان کے جوتے سیدھے کرتا تھا۔ مگر اکبر پر رنگ چڑھا تو لے دین فیضی اور ابوالفضل اور بیربل کا۔

اکبر کی غیر مسلم اور مسلم بیگمات

اکبر کی شادی بڑے بڑے ہندو راجپوت مہاراجاؤں کی راجکماریوں سے ہونی شروع ہوگئی۔ سب سے پہلے آمیر (جا جے پور) کے راجہ بہارا مل کی راجکماری سے شادی ہوئی پھر جودھ پور کے راجہ مالدیا

راجکماری جودھ بائی ہے جس سے ولی عہد جہانگیر پیدا ہوا بعدازاں راجہ کلیان مل والی بیکانیر، راول ہر رائے اور راجہ جلیمیر کی دختروں سے شادیاں ہوئیں، بہت سے ہندو راجاؤں نے مثلاً راجہ ڈونگر لپور، راجہ کاہن برادر راجہ کلیان مل اور جے پور کے ایک اور راجہ نے اپنی بیٹیوں کے ڈولے اکبر کے حرم میں بھیجدیئے باوجودیکہ اس کی بیگمات میں ممتاز مسلمان خاتونیں مثلاً رقیہ سلطانہ ترکی بیگم، دختر مرزا ہندال، سلیمہ سلطانہ جو اکبر کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھی۔ پہلے اس کے اتالیق بیرم خان کی زوجہ تھی۔ جب بیوہ ہوئی تو اکبر نے عقد کر لیا۔ مرزا عبدالرحیم خان خاناں پسر بیرم خان کی سگی خالہ حسن خاں والی میوات کی بھتیجی دختر جمال خان میواتی، ایک عربی نژاد سعیدہ بانو نجدی سید شریف کی دختر میراں مبارک شاہ فاروقی والی برہان پور کی دختر، بیوہ عبدالواسع، دختر عبداللہ خان مغل دختر قاضی عیسیٰ خان ہنسمیہ بانو دختر شمس الدین چاک (چاق) علاوہ ان کے اور بھی بہت سی خواصیں اور حرم، آئین اکبری کے انگریزی ترجمہ میں بلاک مین نے لکھا ہے کہ اکبر کے حرم میں پانچ ہزار مستورات تھیں مگر اکبر پر اس کی ہندو بیگمات ہی کا اثر اور زور رہا۔ رانی جودھ بائی کا لقب مریم زمانی تھا۔ اس کے محل میں تو ایک مندر بھی تھا۔ جو بلا مورلوں کے اب بھی موجود ہے ان رانیوں کی وجہ سے ہندو پنڈتوں کی رسائی اکبر تک ہو گئی پرکھوتم اور دیبی نام دو پنڈت اکبر کو رات کو خوابگاہ میں ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کی کتھائیں وغیرہ سنایا کرتے تھے۔ چنانچہ اکبر کے حکم سے فیضی نے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں مہابھارت، گیتا وغیرہ کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ مہابھارت کا ترجمہ فارسی نظم میں کیا۔ اکبر نے ہندوانی

رسوم اختیار کر لئے، تو داڑھی منڈوا دی۔ جب اس کی ماں حمیدہ بانو مریم مکانی کا انتقال ہوا تو اکبر نے بھدرا کرایا یعنی داڑھی مونچھ ابرو کا صفایا کرایا اور سب اہالیان محلات اور درباریوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اکبر کی ایک عیسائی بیگم از میلیین اور ایک عیسائی بیگم پرتگالی یوروپین گورنر گوآ کی بیٹی تھی، جو ایک عیسائی مشن کے ساتھ اکبر کو عیسائی بنانے کے لئے آئی تھی اور خود اکبر کی زوجہ بن گئی، چنانچہ تخم تاثیر صحبت کا اثر، ایسے ماحول کا اثر اکبر کے دینی عقائد پر پڑا، راجپوت راجاؤں کی راج کماریاں جو حسن و جمال میں چیدہ چیدہ آئی تھیں اکبر کو دام محبت میں گرفتار کرنے میں کامیاب ہوئیں اکبر فیضی کے اس شعر کا مصداق بن گیا۔

بتان ہند تسبیحم گسستند　　بہر سویم دو صد زنار بستند

ملا ہلاالدین، عبدالرحیم خانخاناں، مخدوم الملک، صدر الصدور، حکیم ابوالفتح بے بس تھے۔ ابوالفضل اور فیضی اور اکبر پر کفر کے فتوے صادر کرنے پر بس کیا۔ اکبر نے اپنے بے دین مشیروں کی ایما سے ایک چار ایوان تعمیر کرایا، جہاں اکبر ہندو، پارسی اور عیسائی مذہب کے پیشواؤں سے مذہبی مباحثے کرا سنتا تھا۔ آخر فیضی ابوالفضل، بیربل کے مشوروں سے ایک نیا دین۔ دین الٰہی نام ایجاد کیا گیا۔ گاؤکشی بند کر دی گئی کہا جاتا ہے کہ اکبر کا یہ دین الٰہی محض ایک سیاسی مصلحت تھی اور وہ صلح کل پالیسی پر عمل پیرا تھا۔ ہندؤں نے اکبر کو مہابلی اور اوتار بنا دیا اور بدین نام کے مسلمانوں نے پیغمبر۔ چنانچہ فیضی کا ایک قطعہ اسی کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے۔

ہر کو دیوتا اوتار اور پیغمبر بنا دیا دین الٰہی ایجاد ہوا اکبر کو ڈھونگ دینا اور سجدہ کرنا جاری ہوا۔

خواہی کہ چو من راہِ ہُدیٰ بشناسی — نشناختی راہ، راہ کجا بشناسی
این سجدۂ ناقبول سُود نہ دہد — اکبر بشناس تا خدا بشناسی

ایک اور قطعہ فیضی کا سنیئے۔

شاہے کہ وجودِ او کمال است کمال — اندیشۂ توصیفِ او محال است محال
ہر چند کہ اسم او جلال است جلال — ذاتش ہمہ مظہرِ جمال است جمال

ابوالفضل اور فیضی نے اکبر سے فیضی کے ایک خواب کا تذکرہ کیا کہ فیضی کے پاس فرشتے آئے اور کہا کہ اکبر کو ہمارا یہ پیغام پہونچادو کہ خدا نے تجھے پیغمبر کیا۔ ہم یہ وحی کی کتاب جو اس کے لئے بھیجی گئی ہے ساتھ لائے ہیں مگر ہم یہ تیرے ہاتھ نہیں بھیجیں گے بلکہ اس کو ایک درخت میں آویزاں کردیں گے تم اکبر کو مطلع کردینا۔ اس وحی میں جو بے نقط لکھی گئی ہے احکام الٰہی ہیں یہ کہہ کر فرشتے غائب ہوگئے۔" یہ خوشخبری سن کر اکبر بہت خوش ہوا فیضی نے یہ شعر پڑھا۔

صد شکر کہ خیر البشرے پیدا شد ! — یک نبی رفت دبجائش دگرے پیدا شد

علامہ بدایونی لکھتے ہیں کہ فیضی نے یہ شعر پڑھا ہی تھا کہ ایک غیبی آواز نے یہ شعر سنایا۔" حیف صد حیف کہ شر البشرے پیدا شد" یعنی در دین نبی رخنہ گرے پیدا شد" وہ وحی جو درخت میں رکھی گئی تھی عربی میں تھی۔ قرآن مجید کے سات پاروں کی تفسیر فیضی کی تصنیف کردہ، بے نقط عبارت میں تھی جس کا نام تفسیر سواطع الالہام ہے اس دین الٰہی میں اکبر کو سجدہ کرنا روا رکھا گیا۔ بجائے سلام علیک کے اللہ اکبر اور جواب میں بجائے وعلیک السلام کے جل جلالہٗ مقرر کیا گیا۔ ملا عبد القادر بدایونی مخدوم الملک اور صدر الصدور اور دیگر عالموں نے سخت مخالفت کی اور کفر

کے فتوے اکبر فیضی، ابوالفضل پر صادر کئے۔ مخدوم الملک اور صدر الصدور
معتوب ہوئے۔ برطرفی کے علاوہ جائداد اور مکان وغیرہ قرق ہوئے اکبر کو ان
سے بات بات پر فیضی اور ابوالفضل نے پہلے ہی بدظن کیا ہوا تھا۔ مثلاً ایک بار
اکبر نے بسنتی رنگ کا لباس ریشمی زیب تن کیا تو صدر الصدور نے اپنی چھڑی
لباس سے چھوا کر کہا کہ کیا کفر کا لباس پہنا ہے۔ اکبر خاموش رہا۔ مگر اپنی والدہ حمیدہ
بیگم مریم مکانی سے شکایت کی انہوں نے بیٹے سے کہا کہ یہ تیرے لئے فخر کی بات
ہے کہ ایک عالم دین نے اپنی چھڑی تیرے جسم سے چھوائی اسی میں تیری نجات
ہو گی مگر فیضی اور ابوالفضل نے اکبر کو خوب بھڑکایا۔ مخدوم الملک اور صدر
الصدور کو شاہی دسترخوان پر مدعو کیا۔ زعفرانی رنگ کے کھانے بریانی مزعفر
اور متنجن وغیرہ پیش کئے گئے، انہوں نے وہ رغبت سے کھلئے تو پوچھا گیا کہ اس
رنگ کا لباس تو کفر ہے مگر اس رنگ کے یہ کھانے نوش جان کرنا کیسا۔؟۔ اس
طرح ان کو نادم اور لاجواب کیا، صدر الصدور ملا عبدالنبی حج کو چلے گئے تھے اور مخدوم
الملک کابل چونکہ بزمانہ حج وہاں اکبر کے کفر کا چرچا کیا تھا۔ حج سے واپسی پر
عبدالنبی صاحب سے ستر ہزار روپیہ کا حساب طلب کیا گیا جو حج کو جاتے وقت

ملا شیخ عبدالنبی صدر الصدور سے اکبر کا سلوک

مکہ معظمہ میں تقسیم کرنے کے لئے خزانہ شاہی سے دیا گیا تھا
حساب فہمی میں مقید کئے گئے۔ اکبر نے خود ان کے منہ پر
مکا مارا تھا۔ اکبر کے اشارہ سے ابوالفضل نے قید خانہ
میں گلا گھونٹ کر مروا دیا۔ سرخ منارے کے میدان میں لاش پڑی ملی بلکہ یہ
دین الٰہی چند دن بھی نہ چلا ہندوؤں میں راجہ مان سنگھ بھی اس دین سے الگ ر

معترض رہا۔ فیضی کا انتقال اکبر کے چالیسویں سال جلوس میں ہو گیا۔ اکبر کو انتہائی صدمہ ہوا اور ابوالفضل سے گلے مل کر رویا، غلبہ مرض میں فیضی نے کلمہ پڑھ کر..... پھر اسلام قبول کر لیا۔ اکبر کو لکھا تھا کہ جہاں پناہ الشان اگر اپنی بہتری دین و دنیا میں چاہے تو خدا اور اس کی لازوال قدرت کا مضبوطی سے اپنے دل میں یقین جمائے اور اس کا سچا مذہب جو دین محمدی ہے قبول کرے میں حضور کو گواہ کرتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں، مگر مورخوں نے لکھا ہے کہ وہ مسلمان نہیں مرا۔ مرتے وقت صورت بدل گئی تھی رنگت سیاہ پڑ گئی تھی۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے تاریخ وفات کا یہ قطعہ لکھا۔

سال تاریخ فیضیؑ مردار شد مقرر بہ چار مذہب کار
سال فوتش چہ سگ پرستے مرد سال تاریخ خالداً فی النار

ابوالفضل جس کا ہاتھ اکبر کو بے دین بنانے میں بیشتر تھا۔ اسکا انجام یہ ہوا کہ جب اکبر نے اسے دکن کی مہم سر کرنے کو بھیجا تھا۔ وہ وہاں سے اکبر کا طلبیدہ واپس آرہا تھا کہ جہانگیر شہزادہ پسر اکبر نے اپنے دوست نرسنگھ دلیو راجہ اور چھ (بندیلکھنڈ) کے ذریعے بمقام آنتری ریاست گوالیار اثنائے راہ میں قتل کرادیا۔ ابوالفضل کا سر کاٹ کر بمقام الہ آباد جہانگیر کے پاس بھیج دیا جس نے اس کو سنڈاس میں ڈالو دیا تھا۔ اکبر کے لئے یہ سانحہ جاں گداز ہوا سر سے پگڑی اتار کر پھینکدی اور پھوٹ پھوٹ کر رویا۔ اور اسی رنج میں دو سال بعد اکبر کا کام تمام ہوا۔ خان اعظم (مرزا عبدالرحیم خانخاناں نے ابوالفضل کی فوتی کی تاریخ لکھی۔ ۱۰۱۱ھ

یفعل اللہ ما یشاء یحکم ما یرید تیغ اعجاز نبی اللہ سر باغی برید

حکومت اور دولت کی فراوانی کا نشہ

اکبر کو مذہب سے بے پروا اور بیدین بنانے میں سب سے بڑا سبب اس کی وسیع سلطنت، حکومت کا دبدبہ اور دولت کی فراوانی تھی۔ حکومت اور دولت کا نشہ بڑی بری چیز ہے چار دانگ ہندوستان میں پٹھانوں اور راجپوتوں سے ملک فتح کر کے اکبر نے اپنی حکومت کا ڈنکا بجا دیا تھا۔ دولت کی اتنی بہتات تھی کہ خرچ کرنے پر بھی بڑھتی ہی جاتی تھی، فتحپور سیکری میں محلات سے متصل چہار ایوان عبادت خانہ کے پاس ایک تالاب موسومہ انوپ تلاؤ (جہانگیر نے نام کپور تلاؤ لکھا ہے) تفریح گاہ تھا اس کا طول و عرض ۲۶×۳۶ درعہ عمق ۴ ۱/۲ درعہ تھا۔ اسکو اشرفیوں، روپیوں اور ٹنکوں سے بھروایا تھا۔ جو بحساب ہندوستانی ایک کروڑ اور تین لاکھ روپیوں کے برابر تھے حکم دیا تھا کہ ہر کس و ناکس جو چاہے اس میں سے اٹھالے جائے راستے میں تشکار میں راجہ ٹوڈرمل نے اکبر سے عرض کی کہ ۱ کروڑ دام اس عہد کے سکہ کے بموجب بھر چکے ہیں مگر بھرا نہیں ہے حکم دیا کہ جب تک ہم پہونچیں لبالب بھردو اعلیٰ وادنیٰ آتے تھے اور روپیہ اٹھالے جاتے تھے اکبر نے شیخ منجھو نامی ایک قوال کو انہی دنوں اس حوض کے کنارے بلا کر گانا سنا۔ خوش ہو کر کہا منجھو جا۔ سب نقدی اٹھالے جا وہ جتنی لے جاسکا لے گیا تین برس تک یہ دولت لٹی۔ محمد حسین آزاد صاحب دربار اکبری میں لکھتے ہیں کہ میں نے ایک پرانی تصویر دیکھی ہے کہ اکبر اس تلاؤ کے کنارے پر بیٹھے ہیں بیربل اور وزرا وغیرہ حاضر ہیں۔ کچھ مرد، کچھ عورتیں، کچھ لڑکیاں پنہاریوں کی طرح اس تلاؤ میں سے گھڑے بھر بھر کے لئے جا رہے ہیں۔ یہ ۹۸۶ھ کا واقعہ ہے کتاب دربار اکبری میں اس تلاب کا رقبہ ۲۰×۲۰ اور عمیق قدم آدم لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے

جہانگیر نے توزک میں طول و عرض مندرجہ توزک لکھ کر لکھا ہے کہ ۳۴ کروڑ اور ۸۲ لاکھ روپے اس بھرے تھے۔ ملا شیرازی شاعر نے اس تالاب پر ایک شعر لکھا تھا۔ غالباً یہ شاعر فتح اللہ شیرازی ہوں گے۔

"دریں ایام دہایم جمع با اموال قارونی۔ عبادت ہائے فرعونی، عمارت ہائے شدادی"

اکبر کو قارون فرعون اور شداد سے ایک شاعر نے نسبت دی

یہ اشارہ جھوٹ ہے کہ چہار ایوان یا عبادت خانہ جو اس تالاب سے ملا ہوا تھا۔ وہاں اکبر کو لوگ مثل فرعون کے سجدہ کیا کرتے تھے اور محلات اکبر شاہی مثل عمارت ہائے شداد تھے اور انوپ تلاؤ (یا کپور تلاؤ) کو خزانہ قارون سے بھر اتھا۔ اسی دولت کی کثرت و فراوانی نے اکبر کو بہکا دیا بالفعل شاعر سچ ہے۔ ؎

"بادہ نوشیدن و ہد ہوشش نہ گشتن سہل است" گر بہ دولت برسی مست نہ گردی مردی"

"چنانچہ عباس صفوی شاہ ایران نے اکبر کو ایک قطعہ لکھ کر بھیجا تھا۔

زنگی بہ سپاہ و خیل و لشکر نازد + رومی بہ سنان و تیغ و خنجر نازد

اکبر بہ خزینۂ پُر از زر نازد + عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد

اکبر کی وفات

اکبر ۱۰۱۰ھ مطابق ۱۶۰۱ء تک فتحپور سیکری رہا۔ ابوالفضل کی موت کے بعد بہت رنجیدہ رہنے لگا۔ اور سنجیدہ ہو گیا تھا۔ ۱۳ رجادی الاخر ۱۰۱۴ھ مطابق ۱۲ار اکتوبر ۱۶۰۵ء کو آگرہ میں اس کا انتقال ہوا، سکندرہ واقع آگرہ میں اس کا مقبرہ ہے مرتے وقت جہانگیر، شاہجہان اور دیگر درباریوں کے سامنے کلمہ پڑھا اسی سال آخر ۱۰۱۳ھ میں اکبر کا تیسرا بیٹا شاہزادہ دانیال جو اکبر کی ایک حرم بی بی دولت شاد کے بطن سے تھا اور اکبر کو بہت عزیز تھا برہان پور میں فوت ہوا اس کا صدمہ بھی اکبر کے لئے ناقابل

برداشت ہوا۔ دوسرا بیٹا اکبر کا شاہ مراد معروف بہ پہاڑی جو فتح پور سیکری میں پیدا ہوا تھا جس کی ماں سعیدہ بانو بنت سید شریف نجدی عربی تھی۔ وہ ۱۰۰۷ھ میں داغ مفارقت دے گیا تھا۔ دو سال پہلے ۱۰۱۲ھ میں اکبر کی والدہ حمیدہ بانو بیگم مریم مکانی کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔ آخر عمر میں جہانگیر کی سرکشی اور شوریدہ سری جو باعث قتل ابوالفضل ہوئی ان سب حادثوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اکیاون سال سلطنت کی۔ تاریخ وفات ہے (۱) فوت اکبر شہ (۲) فوت اکبر شہ از قضائے الٰہ + گشت تاریخ فوت اکبر شاہ (۳) مصرعہ۔ الف کشیدہ ملائک ز فوت اکبر شاہ "شاہ" کا الف کم کرکے تعمیہ = الف کشیدن، فارسی محاورہ بمعنی آہ دلگا کرنا۔ (۴) قطعہ تاریخ

جلال الدین محمد شاہ اکبر زدنیا گشت سوئے خلد راہی
چو رضوان دید حیران گشت کہ ایں کیست ندا آمد کہ بیک ظل الٰہی

اکبر کی اولاد حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کی دعا سے اکبر کے تین بیٹے پیدا ہوئے تھے (۱) جہانگیر (۲) مراد موسومہ پہاڑی از بطن سعیدہ بانو نجدی (۳) دانیال از بطن خواص بی بی دولت شاد جن سے دو بیٹیاں شکر النساء بیگم اور آرام بانو بیگم بھی پیدا ہوئی تھیں بڑی بیٹی شہزاد خانم بھی ایک خواص کے بطن سے تھی۔

مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان پوری قاضی القضاۃ! یہ ملا عبداللہ سلطان پوری مخدوم الملک قاضی القضاۃ۔ اکبر کے زمانے سے پہلے سلیم شاہ سوری بادشاہ ہندوستان کے عہد سلطنت میں بھی قاضی القضاۃ تھے اس زمانہ میں حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے ایک بزرگ مرید شیخ علائی نامی بیانہ میں رہتے تھے۔ ان کے باپ شیخ حسن بھی حضرت شیخؒ کے مرید و خلیفہ ہو کر بیانہ میں سجادہ نشی کرتے تھے۔ بڑے صاحب

شیخ علائی مہدوی | ارشاد بزرگ تھے ان کے بعد شیخ علائی سجادہ نشین ہوئے۔
اسی زمانہ میں عبداللہ افغان معروف بہ شیخ نیازی، فتحپور سیکری میں آکر حضرت شیخ
سلیم چشتی کے مرید ہوئے ان کی خانقاہ فتحپور میں اس جگہ تھی جہاں اکبر نے عبادت
خانہ یا چار ایوان بعد میں تعمیر کرایا تھا۔

سید محمد جونپوری مہدیٔ موعود | شیخ نیازی حج سے واپس آکر سید محمد جونپوری، مہدی موعود کے
فرقہ مہدویہ میں شامل ہو گئے اور بیانہ میں آکر رہنے لگے ان کے
زیر اثر شیخ علائی بھی مہدوی ہو گئے اور اس فرقہ کی اشاعت میں مصروف ہو گئے
قرآن مجید کی تفسیر اس طور سے بیان کرنے لگے کہ سامعین ترک مال واموال و
اہل و عیال و ملازمت شاہی کرنے لگے معاصی و مناہی سے تائب ہو کر مہدوی
بننے لگے۔ جو شخص تجارت وزراعت کرتا تھا اس کا ۱/۱۰ حصہ خیرات کر دیتا تھا۔ باپ نے بیٹے
سے بھائی نے بھائی سے شوہر نے بیوی سے مفارقت کر لی اور فقر وفاقہ و قناعت
اختیار کی۔ پاس انفاس میں مصروف اوقات رہتے تھے مگر ہر وقت ہتھیار بند رہتے
تھے۔ اگر کسی سے کوئی بات خلاف شرع دیکھتے تھے تو اول نرمی سے بصورت انکار
جبر و قہر سے کام لیتے تھے۔ جس کے نتیجہ میں فساد برپا ہونے لگے اور حکومت نے
باز پرس شروع کی تو شیخ نیازی نے شیخ علائی کو سفر حجاز پر روانہ کر دیا۔ جب وہ
جودھپور کے پاس خواص پور میں پہونچے تو وہاں کا حاکم ان کا معتقد ہو گیا ہے وہ وہیں
رہنے لگے مگر بعد میں وہ منحرف ہو گیا تو شیخ علائی پھر بیانہ واپس آ گئے۔ جب شکایت

شیخ علائی و سلیم شاہ بادشاہ | بادشاہ تک پہونچی تو سلیم شاہ سوری نے شیخ علائی
کو آگرہ طلب کیا۔ جب وہ بادشاہ کے روبرو آئے تو کوئی آداب شاہی نہیں بجالائے

صرف اسلام علیکم کہا۔ بادشاہ نے بہ کراہت وعلیک السلام کہا مگر ان کی بے ادبی مقربان شاہی کو ناگوار گزری۔ اور ملا عبد اللہ سلطان پوری قاضی القضاۃ مخدوم الملک نے ان پر قتل کا فتویٰ صادر کر دیا۔ مگر سلیم شاہ نے بجائے قتل کے دیگر علمائے وقت نامی کو بلا کر اپنے حضور مجلس مباحثہ منعقد کی۔ شیخ اس مباحثہ میں مغلوب ہو جاتا تھا مگر کلام مجید کی طرف رجوع کر کے آیات کے ایسے معنی پہناتا تھا کہ سلیم شاہ کے دل میں اثر پذیر ہو جاتے تھے۔ اس نے شیخ علائی سے کہا کہ اگر دعویٰ باطل مہدویہ سے باز آجاؤ تو تمکو اپنی قلمرو پر محتسب بنا دوں۔ مگر انہوں نے قبول نہیں کیا۔ مگر پھر بھی سلیم شاہ نے باوجود فتویٰ مخدوم الملک کے ان کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ دکن میں ایک قصبہ ہنڈیہ میں جلاوطن کر دیا۔ مگر وہاں کا حاکم بہار خان معہ اپنے لاؤ لشکر کے ان کا گرویدہ ہو گیا اور مہدویت اختیار کر لی۔ مخدوم الملک نے سلیم شاہ پر زور ڈال کر شیخ کو پھر دوبارہ طلب کرایا۔ مگر پھر بھی بادشاہ شیخ مذکور کے قتل پر آمادہ نہیں ہوا۔ بلکہ ان کو ملک بہار میں ایک اور بزرگ شیخ بڈھ طبیب کے پاس جن کا شیر شاہ سوری بادشاہ بہت معتقد تھا اور جوتیاں اٹھاتا تھا۔ بھیجدیا اور کہا کہ ان کے فتوے کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ شیخ بڈھ طبیب نے مخدوم الملک کے فتوے کی تائید میں فتویٰ لکھ کر بھیج دیا۔ اسی دوران میں شیخ علائی مرض طاعون جو اس نواح میں پھیلا ہوا تھا مبتلا ہو گئے اور اسی حال میں آگرہ سلیم شاہ کے روبرو پیش کیے گئے۔ بادشاہ نے ان کے کان میں کہا کہ کہدو کہ میں مہدوی نہیں ہوں۔ مگر شیخ نے نہیں مانا مجبوراً بادشاہ نے چند درے مارنے کا حکم دیا۔ تیسرے درے میں شیخ کی روح پرواز کر گئی۔ تاریخ وفات ذکر اللہ میں نکلتی ہے۔ جب اکبر بادشاہ کا زمانہ

شیخ علائی کی موت بحالت درہ زدگی

سلطنت آیا تو یہ ملا عبداللہ اکبر کے دربار میں بھی قاضی القضاۃ د بخطاب المخدوم الملک مقرر ہوئے۔ انہوں نے ابوالفضل، فیضی اور خود اکبر پر کفر کے فتوے صادر کئے یہ اور صدر الصدور ملا عبدالنبی۔ دونوں معتوب ہو کر عہدوں سے برطرف کر دیئے گئے یہ وہی ملا عبداللہ مخدوم الملک تھے۔ جب اکبر نے اپنے اتالیق بیرام خان سے اختیار چھین لئے تھے۔ اور بیرام خان نے اکبر سے سرکشی اور باغی اختیار کی بعدہٗ اکبر سے مصالحت پر آمادہ ہوا تو اکبر نے انہی مخدوم الملک کو مامور کیا تھا۔ اور وہ بیرم خان کو حاضر دربار لائے تھے۔ اور اکبر نے اس کو معافی دیدی تھی جب یہ ملا اکبر کے معتوب ہوئے تو ہندوستان سے بھاگ کر عبداللہ خان ازبک والی کابل کے پاس پہنچ گئے سلیمہ سلطانہ بیگم بابر کی نواسی اکبر کی بیگم جو پہلے بیرم خان کی بیوی تھی۔ بعد وفات بیرم خان اکبر نے عقد کر لیا تھا۔ وہ ملا عبداللہ مخدوم الملک کی شاگرد تھی ملا نے اس سے خط و کتابت کر کے اس کے وسیلہ سے اکبر سے معافی حاصل کر لی اور واپس آگئے مگر اکبر کا دل صاف نہیں ہوا جب اکبر نے ان کا مال اموال و مکان قرق کرایا جو لاہور میں تھا تو دربار اکبری میں بحوالہ ماثر الامرا لکھا ہے کہ قاضی علی جو فتحپور سے لاہور اس کام کے لئے مامور کئے گئے تھے" انہوں نے رپورٹ دی کہ ان کے گھر میں دو بڑی بڑی قبریں تھیں جن پر سبز غلاف چڑھے تھے اور ہر وقت تازہ پھول چڑھتے تھے۔ حقیقت میں ان کے نیچے خزانے دفن تھے۔ اور ان قبروں کے نیچے سے اس قدر خزینے اور دفینے نکلے کہ وہم و گمان میں بھی نہیں تھے۔ ان مخدوم الملک میں اور صدر الصدور میں بھی باہم لڑائی جھگڑے رہا کرتے تھے۔ آخر اکبر کی ناراضی سے حج کے لئے روانہ ہو گئے تو بمقام احمد آباد کسی نے زہر دیدیا۔ جس سے جانبر نہیں ہو سکے

اور راہی ملک بقا ہوگئے۔

اکبر کا مساجد بہ کثرت تعمیر کرانا۔

اکبر بادشاہ نے اپنے ایام سلطنت میں جس کثرت سے مسجدیں بنوائیں۔ اتنی کسی مسلمان بادشاہ نے نہیں بنوائیں وہ جہاں جاتا تھا وہاں ایک مسجد بطور یادگار خود ضرور بنواتا تھا جب پہلے پہل ہندوؤں میں راجہ بہارا مل والی امیر (حال جیپور) کی بیٹی سے شادی کی تو اکبر نے راجہ کے محلات سے متصل دامن کوہ میں ایک خوشنما مسجد تعمیر کرائی جو اس کی یادگار اب تک موجود ہے اور کتبہ اکبر بادشاہ کا اس پر لگا ہے۔ یہ محلات راجہ کے - پہاڑوں کے اندر بنے ہوئے ہیں۔ ان میں ایک محل موسوم بہ شیش محل ہے جس میں عجیب قسم کے شیشے جو طرفہ دیواروں میں اور چھت میں جڑے ہوئے ہیں۔ جن کی یہ طرفہ صفت ہے کہ اس میں کھڑے یا بیٹھے انسان کی صورت الٹی دکھائی دیتی ہے۔ ٹانگیں اوپر اور سر نیچے اگر کوئی عورت ہندوانی لہنگا پہنے ہوئے ہو تو الٹی نظر آئے گی۔ نیچے کا دھڑ پریاں نظر آئے گا۔ اس محل میں اکبر نے اپنے نماز پڑھنے کا حکم دیا چنانچہ فی الفور اس محل کے ایک گوشے میں ایک سنگ مرمر کا قطب نما تیار کر کے نصب کیا گیا اور یہ قطب نما اب تک اس محل میں رکھا ہوا ہے راقم مضمون نے ۱۹۰۵ء تک اس کو وہاں دیکھا تھا۔ آگرہ سے اجمیر شریف تک راستہ میں خاص خاص مقامات پر جہاں قیام کیا ہے وہاں مسجد بنوائی ہے چنانچہ ایک مقام مال پور ریاست جے پور میں ایک مسجد اور ہرن منارا موجود ہے ایک ہرن منارا اجمیر میں بھی ہے۔ جب اکبر پیدل اجمیر بعد ولادت جہانگیر گیا تو ہر پڑاؤ پر ایک مینارا موسوم بہ ہرن منارا بنایا گیا تھا۔

شاہی محلات فتح پور سیکری

فتحپور سیکری میں اکبر، ان کی مسلم اور غیر مسلم بیگمات

نورتن وزرار۔ اور دیگر امرار کے محلات کے آثار اب تک باقی ہیں۔ شاہی محلات جوں کے توں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جدید تعمیر شدہ ہیں۔ اکبر قریباً ۱۸ سال سال ۹۷۷ھ مطابق ۱۵۶۹ء سے لے کر تا ۹۹۵ھ مطابق ۱۵۸۶ء تک فتحپور سیکری رہا۔

اس مدت میں یہ محلات تعمیر ہوئے۔ اکبر نے ان محلات کو گرم جھواہوا (یعنی لو) سے بچانے کے لئے محلات کی پہاڑی کے نیچے جانب مغرب ایک ندی کا جو کھاری ندی کہلاتی ہے۔ بند جانب شمال و جنوب باندھ کر ایک مصنوعی جھیل تیار کی تھی۔ اسی نمونہ کی جھیل جیسی پرانی دھلی میں فیروز شاہ کے مقبرے کے پاس حوض خاص نامی ایک جھیل مصنوعی بنی ہوئی تھی جس کے آثار قدیمہ وہاں باقی ہیں۔ آخر زمانہ قیام فتحپور سیکری میں اس جھیل کا بند ٹوٹ گیا تھا۔ تو فتحپور میں طغیانی آگئی تھی۔ شہر کے نیچے کھاٹی کا حصہ غرق میں آگیا تھا۔ اور آب وہوا خراب ہوگئی تھی۔ پانی کی کمی اور خرابی کی وجہ سے اکبر نے فتحپور چھوڑ کر قلعہ آگرہ میں اقامت اختیار کی۔

اکبر کے بعد بھی مغل بادشاہ یہاں اکثر آکر رہا کرتے تھے خاصکر جہانگیر یہاں زیادہ تر رہتا تھا کیونکہ یہاں سے ملی ہوئی اکبر اور جہانگیر کی وسیع شکارگاہ بھی تھی۔ یہاں سے پانچ کوس کے فاصلہ پر ایک قصبہ روپ باس ہے جسکا نام رامان آباد رکھا تھا۔ جو خاص شکارگاہ تھا۔ یہاں شاہی محلات بنے ہوئے۔ ایک چھوٹی سی جھیل مصنوعی کے کنارے جس میں اب بھی پانی ہے اب تک موجود ہیں۔ جہاں اکبر اور جہانگیر قیام کرتے تھے یہ سنگ سرخ کے بنے

فتحپور کے محلات کے طرز پر ہیں۔ یہ روپ باس اکبر نے راجہ روپ سنگھ کی جاگیر میں دیا تھا اور اُسی کے نام سے روپ باس کہلایا۔ یہ روپ سنگھ رانا اودیپور چتوڑ کے خاندان اور عزیزوں میں سے تھے فتح چتوڑ کے بعد اکبر کے ساتھ آکر مسلمان ہو گئے تھے۔ اب یہ قصبہ ریاست بھرت پور میں ہے۔ فرخ سیر بادشاہ دہلی جو ۱۷۱۲ء میں تخت دہلی پر بیٹھا تو وہ بجائے دہلی کے آگرہ اور فتحپور میں اکثر رہا کرتا تھا۔

شاید فرخ سیر آخری بادشاہ دہلی تھا جس نے راج کماری مہاراجہ جودھپور سے برسم قدیم اپنی شادی کی تھی۔ اس کے بعد محمد شاہ بادشاہ دہلی کی تاج پوشی ۱۷۱۹ء انہی فتحپور سیکری کے محلات میں ہوئی تھی۔ جس بادشاہ کے زمانہ میں ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ۔ شاہ ایران نے آکر دہلی کو تاراج کیا تھا۔ فتح پور سیکری کے یہ محلات اب بھی قابل دید ہیں۔ اتنی زیادہ تعداد میں محلات شاہی اور کسی مقام پر ہندوستان میں نہیں ہیں۔ مغربی ممالک کے سیاح ان کو دیکھنے کو آتے رہتے ہیں۔ عہد انگلشیہ میں ہر وائسرائے اور گورنر جنرل آتے وقت اور پھر جاتے وقت دو بار ضرور فتح پور سیکری کی سیر کو آتا تھا۔ مالوہ میں ایک مقام مانڈو ہے جسکا نام شادی آباد تھا۔ جہاں خلجی بادشاہوں کے محلات و جامع مسجد بھی نوادر عمارات میں سے ہیں وہاں بھی ہر گورنر جنرل دو بار ضرور جاتا تھا یہ مانڈو اب ریاست دھار مالوہ میں ہے۔ ان محلات کو دیکھکر بڑی عبرت کا سماں پیش نظر ہوتا ہے۔ بقول مولانا اسمٰعیل میرٹھی مرحوم

یہ جملہ محلات جو سنسان پڑے ہیں + پتھر کا کلیجہ کئے حیران کھڑے ہیں

شیخ ولی الدین فتحپوری خلیفہ زادہ نے ایک ترکیب بند ان محلات پر لکھا تھا اس کے یہ چند اشعار ہیں :-

گلزار تھا فتح پور اک دن — بے خار تھا فتحپور اک دن
دربار تھا فتح پور اک دن — دُربار تھا فتحپور اک دن

باقی ہے مکاں ۔ مکیں نہیں ہے
خاتم ہے ۔ مگر نگیں نہیں ہے

فردوس کا باغ تھا کبھی یہ — گلزار کا داغ تھا کبھی یہ
ہر غم سے فراغ تھا کبھی یہ — دہلی کا چراغ تھا کبھی یہ

اب تو فقط اک کھنڈر پڑا ہے
جسکو کہ فلک بھی رو رہا ہے

یہ بے سبب نہیں خالی مکاں کے سناٹے — مکاں بھی یاد کیا کرتے ہیں مکینوں کو

خاص خاص قابل دید محلات جنکی اصلیت پر پردہ پڑ گیا ہے اور غلط نام سے موسوم ہو کر نئی تاریخوں میں جگہ پا گئے ہیں اور محکمہ آثار قدیمہ نے بلا تحقیق بازاری افواہوں کو یقین کر کے ان محلات پر تختیاں اس غلط نام کی لکھکر لگادی ہیں لہٰذا ان محلات کا تحقیقی حال و بیان اس کتاب کے ساتھ مختصراً معہ تصاویر شامل کیا گیا ہے ۔ مولوی سعید احمد مارہروی نے آثار اکبری نامی فتحپور سیکری کی تاریخ اس صدی کے آغاز میں لکھی تھی مگر اس میں محلات کے متعلق یہی سب غلطیاں لکھدی گئی ہیں ۔

فتحپور سیکری نے جو پہلے صرف سیکری تھا ۔ بہت سے اہل علم و نامی گرامی

ہستیاں پیدا کی ہیں ۔ یہ خطہ مردم خیز تھا۔ چنانچہ سکندر لودھی بادشاہ دہلی کے زمانہ میں ایک واقعہ گذرا ہے کہ ایک پنڈت بودن برہمن نے اعلانیہ اسلام قبول کیا پھر بعد کو ہندو مذہب کی صداقت کا اظہار کیا اس پر محکمہ قضا نے ارتداد کا فتوی صادر کیا ۔ بادشاہ نے علما کی مجلس طلب کی ۔ اس مجلس علما کے صدر کے لئے میاں عبدالرحمان نامی ساکن سیکری طلب کئے گئے تھے ۔ علما نے متفقہ فیصلہ سے قتل کے فتوے پر مہر تصدیق ثبت کی ۔ اسی زمانہ میں ابھی گذشتہ سال جو بابو راجندر پرشاد صدر اول حکومت ہندوستان کا انتقال ہوا ہے گو وہ اب پٹنہ کے ساکن تھے مگر ان کا خمیر فتحپور سیکری ہی کا تھا۔ ان کے آباد اجداد فتح پور سیکری کے ساکن تھے۔

نیز ماہر ڈاکٹر اے ایچ (اظہر حسین) عثمانی ایم بی بی ایس بمبئی کراچی اور ڈاکٹر آئی ایچ (عشرت حسین) عثمانی پی ایچ ڈی ۔ ڈی ۔ آئی ۔ سی ۔ ایس ۔ پی چیرمین اٹامک انرجی ۔ کمیشن ۔ کراچی ۔ کا آبائی وطن بھی فتحپور سیکری ہی ہے

مختصر حالات خاص خاص

"محلات فتح پور سیکری"

فتح پور سیکری میں اکبر بادشاہ کے چند خاص خاص اور خوبصورت قابلِ دید نادر محلات کا تحقیقی حال، جن محلات کو بوجہ تاریخی لاعلمی اور غلط فہمی کے غلط سلط ناموں سے موسوم اور منسوب کر دیا گیا ہے۔ خاص تاریخی (ریسرچ) تحقیق سے ان کی اصلیت ظاہر کی گئی ہے

مختصر حالات محلات فتحپور سیکری

فتحپور سیکری کی جامع مسجد اور درگاہ روضہ حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ کے زمرہ میں یہاں کے خاص خاص شاہی محلات اور دیگر متعلقہ عمارات کا حال بھی بیان کرنا ناگزیر ہے۔ کیونکہ ہندو پاک کے کسی بھی قدیم اسلامی دارالسلطنت کے شہر میں شاہی محلات کی اتنی کثیر تعداد سالم حالت میں موجود نہیں ہے۔ جتنی یہاں ہے جنکو دیکھنے کے لئے دور دراز ملکوں کے سیاح یہاں آیا کرتے ہیں۔ ان سیاحوں نے اس فتحپور سیکری کا لقب ڈیزرٹیڈ سٹی ...... (Deserted City) (اجڑا شہر) اور آگرہ کا ونڈزر (The Wind-sor of Agra لندن کے خاص شاہی محل کا نام) رکھا ہے۔

انگریزی حکومت کے دور میں ہندوستان میں دو مقام۔ ایک یہ فتحپور سیکری اور دوسرا مانڈو جو مالوہ کے خلجی بادشاہوں کا دارالحکومت تھا جسکا لقب شادی آباد تھا۔ ایسے تھے جہاں وائسرائے گورنر جنرل ہندوستان کو دو بار۔ ایک ہندوستان میں آتے وقت اور دوسرے ہندوستان سے واپس جاتے وقت۔ سیر کو آنا ضروری تھا۔

جیسا کہ ہم پہلے بہ سلسلہ حسن تعمیر۔ جامع مسجد و مقبرہ و محلات فتحپور سیکری لکھ آئے ہیں کہ ایک ایرانی شاعر نے فتحپور سیکری کی عالی شان عمارات کے نظارے سے متاثر ہو کر حسب ذیل اشعار لکھے تھے :۔

خوشا کوہ فرخندہ فتح پور — کہ پیداست از وے تجلی طور
(فتحپور کا مبارک پہاڑ کیا ہی اچھا ہے — کہ اس سے کوہ طور کی تجلی کا منظر سامنے آتا ہے)

منازل برآں کوہ پیدا سرشت — چو بر آسماں خانہ ہائے بہشت
(اس پہاڑ پر جو مکانات موجود ہیں — وہ ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے آسمان پر بہشت کے مکانات ہوں)

ہمہ خانہا روشن و دل پذیر — چو دل ہائے پیران روشن ضمیر
(یہ سب کے سب مکانات روشن بارونق اور دلکش ہیں — انکی مثال ایسی ہی ہے جیسے روشن ضمیر بزرگوں کے دل روشن ہوتے ہیں)

بہت سے یوروپین مورخوں اور سیاحوں اور انجنیئروں نے اپنی اپنی کتابوں میں یہاں کی عمارات کی تعریف بیان کی ہے - اگر ان سب کا حوالہ دیا جائے تو پوری ایک کتاب بن جائے - مختصراً چند نام درج کئے جاتے ہیں جنکی کتابوں تک راقم مضمون کی رسائی ہو سکی ہے - مثلاً :-

(۱) لوئی ریسولٹ - فرانسیسی سیاح کی کتاب " انڈیا اینڈ اٹس نیٹو پرنسیز" (ہندوستان اور اسکے مقامی بادشاہ) (۲) پروفیسر لین پول کی کتاب " زمانہ وسطی کا ہندوستان" (۳) ڈل لیٹ کی کتاب " سلطنت مغل اعظم " (۴) رل ہین کی کتاب " ٹریولس ان انڈیا (سیاحت ہند) (۵) سجے ٹالبا کنز وھیلر کی کتاب " مختصر تاریخ ہند (۶) ایچ ایم ایلیٹ کی کتاب - مرتب کردہ پروفیسر ڈاسن " تاریخ ہند خود اس کے مورخوں کی زبانی " مطبوعہ ۱۸۷۲ء - (۷) کتاب " آگرہ تاریخی اور مناظری " (آگرہ ہسٹاریکل اینڈ ڈسکرپٹو - کلکتہ ایڈیشن ۱۸۹۶ء - (۸) ایچ جی کین کی کتاب " ترک ہندوستان میں " (۹) فبتھم صاحب کی کتاب " آگرہ کی یادیں " (ریمینیسینس آف آگرہ) (۱۰) فرگسن کی " تاریخ ہند اور

مشرق کا فن تعمیر" (۱۱) ایڈمنڈ ڈبلو اسمتھ سروئیر محکمہ آثار قدیمہ کی کتاب" فتحپور سیکری کی مغلیہ عمارتیں" جو چار ضخیم جلدوں میں ہے - اکبر بادشاہ کے ان محلات کا سلسلہ جامع مسجد کے بادشاہی دروازہ کے باہر سے ہی چند قدم چل کر شمالی سمت سے شروع ہو جاتا ہے - یہاں صرف اُن خاص خاص محلات کا ذکر کیا جاتا ہے جنکو تاریخی کم علمی اور نادانی سے غلط سلط ناموں سے منسوب کر دیا گیا ہے یا جو فن تعمیر کی نُدرت کے لحاظ سے قابل تعریف ہیں - اور اُن محلات کی اصلیت بے نقاب کی گئی ہے - فتح پور سیکری کو اکبر نے دارالسلطنت بنانے کے ساتھ ہی یہ محلات تعمیر کرائے تھے -

جودہ بائی کا محل

سب سے پہلا جودہ بائی کا عظیم الشان محل ہے - جملہ شاہی محلات میں اس کے مقابلہ کا اور کوئی شاندار بڑا اور وسیع محل نہیں ہے - یہ اس لئے ہے کہ یہ محل اکبر کی پاٹ رانی - ولی عہد شاہزادہ جہانگیر کی ماں ملقب بہ مریم زمانی کا ہے - اسی بیگم کے لئے پہلے رنگ محل معہ بدیع محل برائے ولادت پسر بنا تھا بعد ولادت کے یہ محل بنایا گیا - یہ بیگم جودھ پور مارواڑ کے راجہ مالدیو کی بیٹی اور اودے سنگھ عرف موٹا راجہ کی ہمشیرہ تھی - اسی نام سے یہ محل مشہور چلا آتا تھا مگر محکمہ آثار قدیمہ ہند نے اپنی تاریخی لاعلمی سے یہ جدت کی کہ اس محل کو بجائے اکبر کی بیگم جودہ بائی کے جہانگیر کی بیگم جودہ بائی کا محل قرار دیدیا - اور اس مضمون کی تختی دروازہ محل پر لگادی" کہ یہ محل اکبر نے جہانگیر کی بیگم جودہ بائی کے لئے

چمن و خوابگاہ - اکبر و صحن محلات فتحپور سیکری
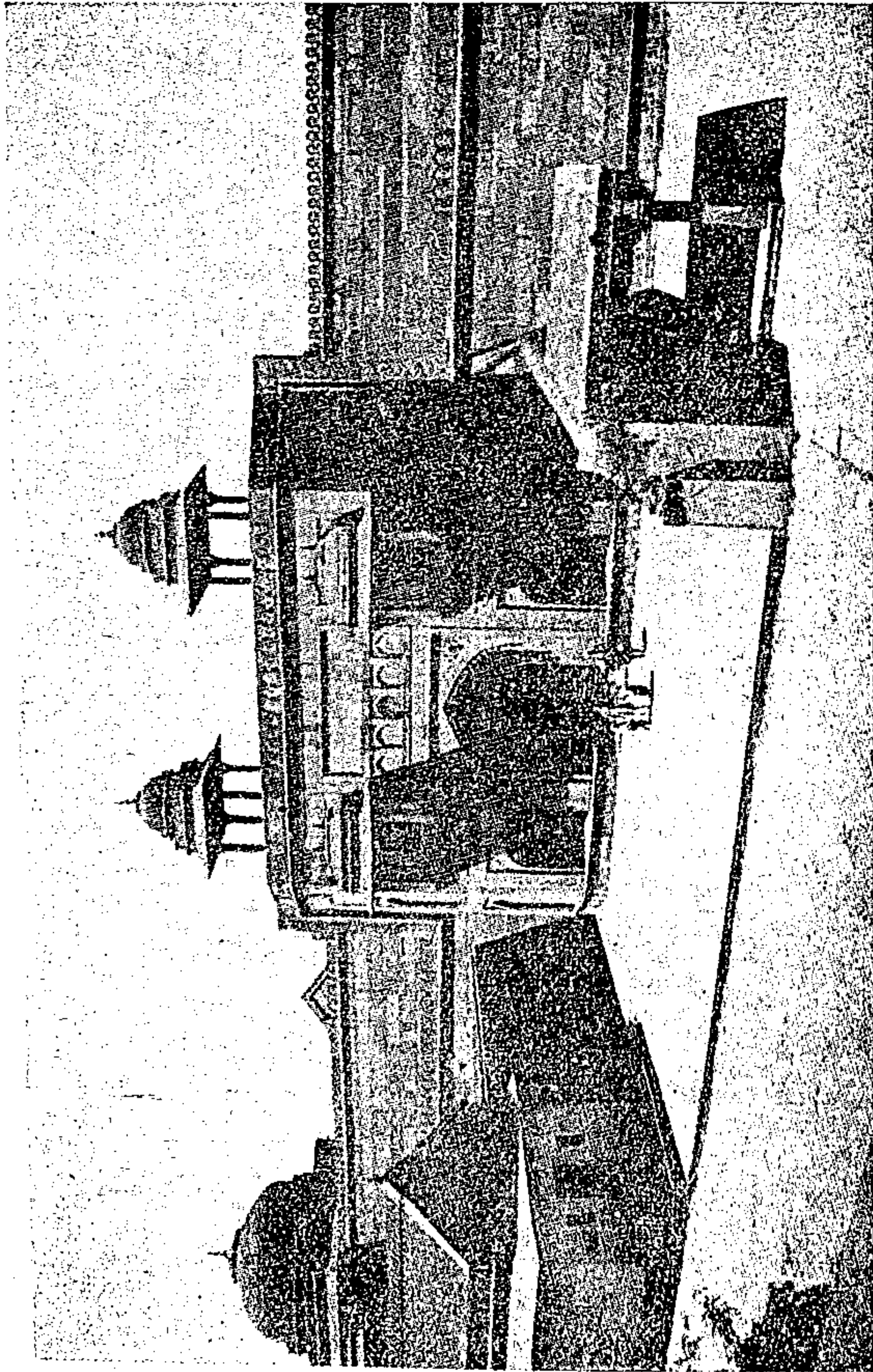
صدر دروازه محل جوده بائی مریم زمانی فتحپور سیکری

تعمیر کرایا تھا۔ مگر وہ بیگم اس محل میں نہیں رہی کیونکہ اسی زمانہ میں پایۂ تخت یہاں سے آگرہ کو منتقل ہو گیا۔ راقم مضمون نے محکمہ آثار قدیمہ کی غلط بیانی کی تردید میں ایک آرٹیکل دہلی میں ۱۹۴۷ء میں ہفتہ وار اخبار انجام ویکلی دہلی میں شائع کیا تھا۔ اور وہی مضمون دوبارہ رسالہ قومی زبان انجمن ترقی اردو کراچی میں بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب نے جنوری ۱۹۵۶ء میں شائع کرایا۔ اس مضمون میں یہ دلائل ذیل ثابت کیا ہے کہ یہ محل اکبر کی بیگم جودہ بائی ہی کا ہے۔ (۱) جہانگیر شاہزادہ کی شادی اکبر نے جب کہ وہ پندرہ سال کا ہوا تو آمیر (حال جے پور) کے راجہ بھگوانداس کی بیٹی (راجہ مان سنگھ کی ہمشیرہ) سے کی تھی۔ واضح رہے کہ اکبر نے خود اپنی پہلی شادی ہندو راجاؤں کی لڑکیوں سے کی تو اسی آمیر کے راجہ بھارا مل کی بیٹی سے (راجہ بھگوانداس کی ہمشیرہ سے) کی تھی۔ اب اپنے بیٹے کی بھی شادی پہلے پہل اسی راجہ کے یہاں راجہ مان سنگھ کی بہن سے ۹۹۲ھ میں کی۔ جب جہانگیر سترہ سال کا ہوا تو ۹۹۴ھ میں اس کی دوسری شادی اکبر نے اپنے سالے راجہ اودے سنگھ راجہ جودھ پور کی بیٹی سے کی۔ اس جودہ بائی ثانی کا نام جگت گوشائیں خود جہانگیر نے اپنے توزک میں لکھا ہے۔ (۲) لہذا اگر اکبر بادشاہ شہزادہ جہانگیر کی ہندو رانی کے لیے کوئی محل یہاں بنواتا تو اس کی پہلی رانی آمیر والی کے لیے بنواتا نہ کہ یہ کہ پہلی رانی کے لیے تو کوئی بھی محل نہیں بنایا مگر دوسری رانی (جودہ بائی) کے لئے جو دو سال بعد بیاہی ہوئی آئی یہ محل بنوادیا۔ اس بات کو عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی۔ پہلی آمیر والی جہانگیر کی رانی کا لقب شاہ بیگم تھا جس سے جہانگیر کی اولاد سلطان النسا اور شہزادہ خسرو پیدا ہوئے تھے۔ خسرو کے پیدا ہونے کے بعد ہی اسی سال یہ

جہانگیر کی دوسری رانی جودھ پور والی بیاہی ہوئی آئی تھی۔

(۳) اکبر قریب ۱۷ سال فتحپور رہا۔ پھر آگرہ منتقل ہوگیا۔ جب آگرہ منتقل ہوا ہے تب جہانگیر کی شادی رانی جودھ بائی سے ہوئی۔ لہٰذا اس جودھ بائی زوجہ جہانگیر کا محل آگرہ میں بنایا گیا جو قلعہ آگرہ میں موجود ہے نہ کہ سکونت چھوٹنے کے بعد فتحپور میں اس کا محل بنتا۔ (۴) محکمہ آثار قدیمہ نے یہ غلط بیانی اس وجہ سے کی کہ اس جودھ بائی کے محل کے سامنے قریب ہی گوشۂ شمال میں ایک چھوٹا سا محل ہے جسے مریم کا محل اور سنہری محل کہتے ہیں۔ دراصل مریم محل اکبر کی پرتگالی یوروپین عیسائی بیگم موسومہ مریم کا ہے۔ مگر چونکہ انگریز مورخ اور ان کے مقلد ہندوستانی تاریخ نویس اس بات کو نہیں مانتے کہ اکبر کی کوئی یوروپین عیسائی حرم تھی۔ اس لئے انھوں نے یہ جدت طرازی کی کہ یہ مریم۔ مریم زمانی جہانگیر کی ماں جودھ بائی تھی۔ اور یہ مریم محل۔ اس مریم زمانی کا محل ہے۔ حالانکہ یہ صریحاً غلط ہے۔ راقم مضمون نے ایک آرٹیکل دہلی میں ۱۹۴۶ء میں اخبار حریت ویکلی دہلی میں شائع کرایا تھا جسمیں بہ دلائل ثابت کیا تھا کہ اکبر کی ایک یوروپین عیسائی بیگم بنام مریم۔ یا میریا تھی۔ اسی مضمون کو دوبارہ بابائے اردو مرحوم نے رسالہ قومی زبان انجمن ترقی کراچی اردو میں بوجہ ایک تاریخی اور تحقیقی ہونے کے شائع کرایا۔ اسی ذیل میں آگے اس محل کا ذکر کیا جائے گا۔

جہاں تک میری معلومات کی رسائی ہے اس بارے میں چند مورخین نے تضاد بیانی کی ہے کہ جہانگیر کی ماں مریم زمانی آمیر (جے پور) کے راجہ کی بیٹی تھی۔ یا جودھ پور کے راجہ کی بیٹی۔ اور اس تضاد بیانی کا باعث پروفیسر بلاکمین مترجم آئین اکبری

ابوالفضل ہیں ۔ ذیل میں اُن چند مورخوں کی تضاد بیانی ظاہر کی جاتی ہے ۔ اسی سے آثار قدیمہ ہند نے دھوکا کھایا ہے ۔

وہ مورخ جو تسلیم کرتے ہیں کہ جہانگیر کی ماں جودھ پور کی تھی ۔	وہ مورخ جو تسلیم کرتے ہیں کہ جہانگیر کی ماں آمیر (جے پور) کی تھی ۔
(۱) پروفیسر بلاک مین مترجم آئین اکبری لکھتے ہیں کہ اکبر کی ایک بیگم شاہزادی جودھ پور یا جودھ بائی مادر جہانگیر تھی ۔ مریم زمانی مطبوعہ کلکتہ ۱۸۷۳ء (۲) کرنیل جی بی مالیسن مصنف رولرز آف انڈیا (ہندوستان کے حکمران) جو تصحیح کردہ سر ولیم ہنٹر اور ترجمہ کردہ شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی (حیدر آباد دکن) موسومہ نظام اکبری ہے صفحہ ۱۷۵ (۳) جے بی طالبا ئنر ویلر کی کتاب تاریخ ہند (۴) ای ۔ ڈبلو ۔ تھامسن ۔ مورخ پرنسپل میسور کالج کی تاریخ ہندوستان ۔ (۵) لارڈ الفنسٹن ۔ گورنر بمبئی کی تاریخ ہندوستان (۶) کرنل جی بی مالیسن کی کتاب اکبر اینڈ دی رائز آف مغل ایمپائر ۔ (اکبر اور سلطنت مغلیہ کا عروج) صفحہ ۱۰۱	(۱) پروفیسر بلاک مین مترجم آئین اکبری ۔ وہی بلاک مین جو پہلے لکھ چکا ہے کہ مریم زمانی مادر جہانگیر جودھ پور کی تھی ۔ اپنے ترجمہ مذکور کے ضمیمہ میں اپنے پہلے بیان کی تردید کرتا ہے کہ جہانگیر کی ماں جودھ بائی ہے یہ غلط ہے ۔ جودھ بائی جہانگیر کی بیوی تھی ۔ جو موٹا راجہ والی جودھ پور کی بیٹی تھی ۔ اس میں شک نہیں کہ جہانگیر کی ماں مریم زمانی ۔ راجہ بھارا مل کے بیٹے راجہ بھگوانداس کی بیٹی تھی ۔ یہ پھر بڑی فاش غلطی پروفیسر بلاک مین لے کی بھگوانداس کی بہن کو بیٹی لکھ دیا ۔ دیکھو توزک جہانگیری جسمیں جہانگیر نے خود لکھا ہے کہ راجہ مان سنگھ پر بھگوانداس کی پھوپی (یعنی بھگوانداس کی بہن) اکبر کی زوجہ تھی ۔ اور مان سنگھ کی بہن میری زوجہ تھی ۔ بلاک مین صاحب نے

(۷) شمس العلماء ڈاکٹر مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی کی تاریخ ہند کا "اقبال نامہ اکبری"

(۸) مولوی امراؤ مرزا حیرت دہلوی کی کتاب سوانح عمری اکبر معہ نورتن۔

(۹) مراد صاحب مارہروی کی کتاب کی کتاب "شاہان مغلیہ کی بیویاں"

(۱۰) مولوی سید مقبول احمد صمدانی کی کتاب تاریخ الہ آباد ص۹۶ بحوالہ مورخ خافی خاں

(۱۱) میر غلام حسن خاں کی تاریخ "سیر المتاخرین"

(۱۲) خان بہادر سید عبد اللطیف کی کتاب تاریخ آگرہ۔

(۱۳) مسلم تاجداران ہند مصنفہ حکیم سراج الحق خلف مولانا محمد عبد الحلیم شرر لکھنوی مشہور و معروف مورخ۔

(۱۴) تاریخ زینت الزمان فارسی مصنفہ مرزا محمد شیرازی۔

(۱۵) مسٹر ملینٹ کی کتاب ٹریولز ان انڈیا (ہندوستان کی سیاحتیں)

(۱۶) مسٹر نوٹ کی تاریخ "ہسٹری آف مغل ایمپائر" (عہد مغلیہ کی تاریخ)

اس نے اپنے اس تردیدی بیان کے ثبوت میں کوئی سند پیش نہیں کی۔ اسی ضمیمہ کے گمراہ کن نوٹ کی وجہ سے انگریزی مورخین نے لکھ دیا کہ جودہ بائی جہانگیر کی بیوی تھی نہ کہ اکبر کی۔ اور محکمہ آثار قدیمہ نے جودہ بائی کے محل کے لئے لکھ دیا کہ یہ جہانگیر کی بیوی جودہ بائی کا محل ہے حالانکہ وہ اکبر کی بیوی کا محل ہے۔

(۲) تاریخ ہندوستان وسطی مسلمانوں کے عہد حکومت میں" مصنفہ مسٹر اسٹینلی لین پول

(۳) تاریخ "ترک ہندوستان میں" مصنفہ مسٹر ایچ۔ جی کین۔ آئی۔ سی۔ ایس

(۴) شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد کی کتاب "دربار اکبری"۔

(۵) ڈاکٹر سر شفاعت احمد خاں۔ ایم۔ اے پروفیسر تاریخ۔ الہ آباد یونیورسٹی کی کتاب "تاریخ ہند انگریزی۔

(۶) پروفیسر ایشری پرشاد ایم۔ اے۔ ڈی لٹ پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی کی کتاب

(۱۷) جودھ پور اسٹیٹ گزیٹیر - مرتبہ میجر ڈی ارسکین - ای - اے سی آئی - ای - انڈین پولٹیکل سروس جس میں لکھا ہے کہ یہ گزیٹیر دربار جودھ پور کے محکمۂ خاص کے سرکاری ریکارڈ سے ترتیب دیا گیا ہے۔ یہ گزیٹیر قول فیصل ہے دیکھو صفحہ ۵۸ گزیٹیر مذکور - کہ جودھ بائی اکبر کی بیوی تھی۔

(۱۸) جہانگیر بادشاہ کا خود نوشتہ تو زک جہانگیری -

- - - - - -

- - -

انگریزی "مسلمانوں کے عہد حکومت ہند کی مختصر تاریخ" (اے شارٹ ہسٹری آف مسلم رول ان انڈیا) -

ان چند لائق اور قابل مورخوں نے غلطی کی ہے اور اس غلطی کا موجب غالباً بلاک مین کا وہی ترجمۂ انگریزی آئین اکبری ہے جسکا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے -

ان کے مقابلہ میں جن اٹھارہ فاضل مورخوں اور سندوں کا حوالہ دیا گیا ہے وہ بوجہ اکثریت اور وقعت و عظمت کے مستند اور قابل قبول ہیں -

پس ثابت ہوا کہ جہانگیر کی ماں مریم زمانی اکبر کی بیوی عرف جودھ پور کی جودھ بائی ہی تھی

اس جودھ بائی کے محل کا نقشہ جو اسکی شوکت و عظمت کا مظہر ہے مختصراً یہ ہے کہ یہ محل سنگ سرخ کا ہے اس کے گرد احاطہ کی دیوار تھی جو اب نہیں ہے مگر اس کے آثار موجود ہیں - صدر دروازہ بہت بڑا ہے جس کے اوپر دائیں بائیں خوبصورت بالکنیاں قبہ دار باہر کو نکلی ہوئی بڑی خوبصورت ہیں جو بالائی منزل محل میں ہیں - ان بالکنیوں کے بیچ میں ایک پنج درِی بالکنی بنی ہے - ان کے اوپر دروازہ

کی انتہائی بلندی پر دونوں طرف دو خوشنما برجیاں ہیں اس دروازے کے برابر
دائیں بائیں دو دالان دروازہ نما۔ چبوترے پر ہیں جو دربانوں کی نشستگاہ تھے
دروازہ کے باہر فرش صحن پر داہنے بائیں۔ راؤٹی نما دو مکان بنے ہیں۔ جنکی چھتیں
راؤٹی نما زمردی رنگ کی ٹائل سے پاٹی ہوئی ہیں۔ یہ دونوں کمرے چوبداروں۔ پہرہ
داروں کے لئے تھے۔ دروازہ کے بعد ایک بڑی ڈیوڑھی ہے جس میں سے
دوسرا دروازہ اندر محل کی طرف کھلتا ہے۔ پھر محل کا بڑا وسیع صحن ہے جسکا سنگین
فرش سرخ پتھر کا ہے یہ صحن ۱۷۹ × ۱۶۲ فٹ ہے۔ صحن کے چوطرفہ بڑے
بڑے مکانات ہیں صحن میں دروازہ کے بالمقابل پچھم میں ایک وسیع منڈر ہے صحن
میں ایک ہی پتھر میں تراشا ہوا ایک گول حوض رکھا ہوا ہے دکن کے گوشہ میں اندر کی
جانب بھی مکانات غسل خانہ۔ اور بیت الخلاء کے سٹراس ہیں۔ یہ محل چار منزل کا
ہے ہر منزل پر چوطرفہ مقابل میں مکانات ہیں سو دوسری منزل پر جانے کے لئے صحن
میں چاروں کونوں پر زینے ہیں۔ شمالی زینہ سے ہوکر سب سے بالائی منزل پر ہوا محل
تک پہونچتے ہیں۔ ہوا محل پتھر میں تراشی ہوئی بڑی بڑی جالیوں سے محصور ہے۔
جن سے پردہ مقصود ہے مگر ہوا ان میں سے بڑے زنّاٹے کی آتی ہے اسی لئے
ہوا محل کہلاتا ہے یہاں سے سامنے کی مصنوعی جھیل کا نظارہ رانیاں کرتی تھیں
تیسری منزل پر آخر کے کونوں پر بڑے بڑے برجوں کے ہوادار شہ نشین اونچے
چبوتروں پر بنے ہیں۔ پچھم کے برج کا سامنا آمیری بیگم کے محل سے ہوتا ہے جو
شیش محل کہلاتا ہے اور اس جوزہ بائی کے محل کے پچھم آنند دوسرے
احاطہ میں واقع ہے۔ ہوا محل کے نیچے سے تیسری منزل سے ایک باپردہ پل

ہوا محل

کی طرح کاراستہ بالا بالا محل جودہ بائی اور آمیری محل کی دیوار درمیانی کے اوپر سے گذر کر دور تک چلا گیا ہے - بلندی سے بہ تدریج نیچے اُترنے کے لئے درجہ بدرجہ زینے بھی منزل بمنزل بنے ہیں - یہ پردہ دار راستہ نیچے کی سطح پر آکر داٹر ورکس اور ہتھیا پول دروازہ محلات کے برابر سے ہوتا ہوا سا ہر میدان میں کاروان سرائے (جہاں بڑے بڑے اُمرا بطور مہمان آکر مقیم ہوتے تھے) کے اوپر ہوتا ہوا ہرن مینار تک گیا ہے - یہ ہرن منارہ جسکو الیفینٹ ٹاور ہاتھی کا منارہ اور حرم مینار بھی کہتے ہیں ایک بہت بلند منارہ وسیع چبوترہ کے اوپر درمیان میں بنا ہوا ہے - یہ مینارہ چبوترہ کے اوپر ۸۰ فٹ اونچا ہے اسکے اوپر ایک کھلا ہوا برج ہے اس مینار سے پردہ نشینانِ حرم سامنے کی وسیع مصنوعی جھیل کا نظارہ اور اس کے سامنے کے میدان میں جو کرتب اور تماشے دکھائے جاتے تھے انکو اور ملحقہ باغات کو دیکھا کرتی تھیں - یہ مصنوعی جھیل اکبر بادشاہ نے پہاڑ کے نیچے کچھ فاصلہ پر کھاری ندی نامی ایک ندی کا پانی - پورب پچھم دو بند بندھوا کر روک کر بنائی تھی - جو کئی میلوں کے گرد میں ہے - اس پانی سے لگ کر جب پچھوا گرم ہوا محلات میں آتی تھی تو ٹھنڈی ہو کر پہونچتی تھی - یہ اسی طرز کی جھیل ہے جس کے آثار پرانی دہلی میں حوض خاص نامی جھیل کے نظر آتے ہیں جو اب خشک ہو گئی اس میں کھیتی باڑی ہوتی ہے اس جھیل کا بھی بند اکبر کے آخری دوران قیام فتحپور میں ٹوٹ گیا تھا - اس ندی کا جانب پورب کا بند موسومہ تیرہ موریاں اب بھی باقی ہیں - یہ تیرہ موریاں تیرہ دروازے بند کے پل کے نیچے ہیں جن میں سے جھیل کا پانی جب پیمائش کی حد سے گذر جاتا تھا تو بہ کر ندی میں مل جاتا تھا -

ہرن مینار
یا حرم مینار
یا ہاتھی مینار

اب بھی موسم برسات میں یہ تیرہ موریاں خوب چلتی ہیں اور جائے تفریح اور مچھلیوں کی شکار گاہ ہے۔ یہ جھیل بھی اب خشک ہے اور اس میں کھیت ہوتے ہیں۔ یہ ہرن مینار۔ ہاتھی مینار یوں بھی کہا جاتا ہے کہ کہتے ہیں کہ یہ اکبر کے ایک پیارے ہاتھی کی قبر پر بنایا گیا ہے یہ مینار گول مخروطی ہے اس میں سر سے پانوں تک پتھر کے بڑے بڑے ہاتھی کے سے دانت چوطرفہ لگے ہوئے ہیں جنکی شکل مکان کے چھجے کے طرز کی ہے۔

(گھوڑوں کا طویلہ اور اونٹ خانہ)

اصطبل اسپان اور شتر خانہ جو کئی سالہ کا غلط نام رکھدیا گیا ہے

یہ جودہ بائی کا محل پہاڑ کی ہموار زمین پر بنا ہے۔ اس محل کے نیچے جانب پچھم اور آمیری بائی کے شیش محل کے مقابل بیچ میں ایک دیوار حد فاصل کے بعد ایک صحن ہے جو سنگین نہیں ہے۔ اس صحن کے تین طرف جانب پچھم۔ دکن اور پورب دالان بنے ہوئے ہیں جو صرف اتنے لانبے چوڑے ہیں کہ ان میں ایک مویشی باندھا جاسکے ان دالانوں میں پتھر کے بنے ہوئے گول کھونٹے اور ان کے سامنے پتھر کی بنی ہوئی ناندیں نصب ہیں جو دانہ چارے کے لئے ہیں۔ اسکو لوگ گھوڑوں کا اصطبل کہنے لگے اور یہی نام بلا سوچے سمجھے آثار قدیمہ والوں نے بھی تسلیم کرلیا۔ اور لکھ کر لگا دیا۔ یہ خیال نہ کیا کہ شاہی محل خصوص زنانہ محل کے اندر گھوڑوں کا اصطبل بنائے جانے کو کونسی عقل باور کر سکتی ہے۔ گھوڑوں کی لید۔ اور پیشاب کا تعفن۔ اُن کی ہنہناہٹ اور ایک دوسرے کی آواز پر شور مچانا مع

لوگوں کے دماغ بھی برداشت نہیں کرسکتے کجا کہ شاہی رانیوں کے اور پھر شاہی اصطبل اور اکبر بادشاہ کا اتنا مختصر کہ اسمیں زیادہ سے زیادہ پچاس گھوڑے آسکتے ہوں عام سمجھ میں بھی آنے والی بات نہ تھی - اصل میں یہ جودہ بائی کی گئو سالہ تھی - اس کے ساتھ جہیز میں جو گائیں یا بھینسیں آئی تھیں وہ یہاں بندھا کرتی تھیں - اگر گھوڑوں کا اصطبل ہی مان لیا جائے تو گھوڑوں کی پچھاڑی باندھنے کے لئے بھی کھونٹوں کا ہونا لازمی ہوتا ہے وہ پچھاڑی کے کھونٹے یہاں کیوں نہیں پایا ہیں - اس گئو سالہ کا صدر دروازہ پچھم کے دالان کے درمیان ہے - اور پورب کے دالان میں سے ایک قد آدم دروازہ اور ہے جو اندر جانے کے لئے ہے جہاں دوہرے دوہرے دالانوں کے کوارٹر بنے ہیں - ہر کوارٹر دوہرے دالان کا ہے بیچ میں دیوار حدفاصل ہے جو چھت تک نہیں ہے " ان دوہرے دالانوں میں کوئی کوٹھری نہیں ہے " - ان دالانوں کا پٹاؤ کافی اونچا ہے - یہ سب دالان تنگ ہیں اور تاریک رہتے ہیں - روشنی اور ہوا آنے کے لئے چھتوں میں روشندان - ہر دالان میں ایک کے حساب سے بنا ہے جنمیں سے خوب ہوا اور روشنی اندر پہونچتی ہے اور یہ ٹھنڈے رہتے ہیں ماں اندھیرے اونچے دوہرے دالانوں کو دیکھ کر دیکھنے والوں کو کچھ سمجھ میں نہ آسکا کہ یہ کیا ہیں - لہذا انہوں نے اس خیال سے کہ یہ اصطبل سے ملحق ہیں - اور ان کا پٹاؤ بہت اونچا ہے اور دالان بھی بلند ہیں اس کو اونٹ خانہ بنا دیا کہ یہاں اکبر بادشاہ کے اونٹ باندھے جاتے تھے - حالانکہ اونٹوں کے باندھنے کے نہ کھونٹے ہیں نہ ناندیں اتنا نہ سوچا کہ اونٹ بند، اندھیرے مکان میں کیسے رہ سکتا ہے اور کیا اکبر کے صرف دو درجن ہی اونٹ تھے جن کی گنجائش یہاں ہو سکتی ہے - ان کوارٹروں میں آنے کا ایک دروازہ

جیسا بیان ہوا گئو سالہ میں سے قد آدم بلند ہے۔ اور یہاں باہر سے آنے کا اور دوسرا راستہ
جانب دکن ہے۔ جو البتہ ایسا ہے کہ وہاں سے اونٹ یہاں آ جا سکتا ہے۔ مگر ساتھ ہی
اسی جگہ باہر کو بیت الخلا بہ شکل منڈا اس بنے ہیں اور اندر دالانوں سے ملا ہوا۔ ایک
بڑا حمام بھی بنا ہے۔ جس میں غسل خانے اور کپڑے بدلنے وغیرہ کے درجے بنے
ہیں۔ اونٹ خانہ میں حمام اور بیت الخلا ہونے کی کون سی تک تھی۔ مگر کچھ بھی
غور و خوض و عقل انسانی سے کام نہیں لیا گیا۔ یہ جگہ خود صاف منہ سے بول رہی ہے
کہ یہ گئو سالہ کی خدمت گار عورتوں یعنی گھوسنوں وغیرہ کے رہنے سہنے کے کوارٹر
ہیں۔ اور یہاں ہی وہ گائے بھینسوں کا دودھ جماتی۔ اور اس سے مکھن، گھی، دہی
چھاچھ وغیرہ نکالتی تھیں۔ بند اور اندھیرا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مکھیاں وغیرہ نہ
آ سکیں۔ اب اس باہر کی گئو سالہ میں سے اتر کی دیوار میں سے ایک قد آدم راستہ
بھی ہے۔ جو باورچی خانہ میں نکلتا ہے۔ جو کہ امیری بیگم کے محل کے صحن کے دکن کے کونہ
میں ہے۔ جو صاف دکھائی دیتا ہے کہ دودھ اونٹانے کے لئے تھا۔ جس کے آثار
در و دیوار پر نظر آتے ہیں۔ لہذا اصطبل اور شتر خانہ غلط نام ہے۔ بلکہ حقیقت
میں یہ پرانی جودھ بائی کی گئو سالہ ہے۔ امید ہے کہ محکمہ آثار قدیمہ ہند غلطی کی درستی
کرے گا۔ کیونکہ گھوڑا ناند یا حوضہ میں دانہ گھاس وغیرہ نہیں کھاتا۔ دانہ توبڑہ میں
اور گھاس زمین پر کھاتا ہے۔

بیربل کا یا بیربل کی بیٹی کا محل۔ یہ غلط نام راجہ بھارامل دامیر کے راجہ کی بیٹی کے محل کا رکھدیا ہے

"بیربل کا یا بیربل کی بیٹی کا محل" یہ بڑا شاندار محل ۵۰
فٹ کی وسعت کا ہے۔ سنگ سرخ کا ہے۔ اس کے اندر
کی دیواروں میں اور باہر کے رخ کی دیواروں میں

سنگ تراشی کی اعلیٰ صنعت کاری، بڑی دیدہ ریزی، نکتہ آفرینی اور باریک نقش و نگار کی کندہ کاری سے ظاہر کی گئی ہے دیواروں میں بڑے بڑے پھول بالشت بھر کے تراش کے قریباً چار سے چار اِنچ گہرے۔ بناکر انہیں چمکدار شیشے جڑے ہوئے تھے۔ جو بزمانہ حملہ آواری سورج مل و چوڑامن جاٹ ریاست بھرت پور کے بعد زوال سلطنت مغلیہ نکال لئے گئے۔ اب خالی تراشے بلا نگ کے ہیں۔ ان بڑے بڑے پھولوں کے ارد گرد بیل بوٹے تراش کر انمیں بھی نگ جڑے ہوئے تھے جواب خالی ہیں۔ ایسا جڑاؤ کام یا تو اس محل میں ہے یا مسلم بیگمات کے محلات کے حلقہ میں۔ ترکی سلطانہ، رقیہ بیگم کے محل میں ہے جسے نگینہ محل کہتے ہیں۔ بلکہ اس نگینہ محل میں کام اس محل سے بہت زیادہ نزاکت اور باریک ہے چنانچہ اس محل جس کو شیش محل کہتے تھے۔ اور اس نگینہ محل کے بارے میں، مشہور ماہر انجنیر فرگسن اپنی کتاب ہسٹری آف انڈیا اینڈ ویسٹرن آرکی ٹیکچر (تاریخ ہند اور مشرقی طرز تعمیر میں یوں مداحی کرتا ہے "یہ دونوں محل نہایت ہی بیش قیمت جواہر ہیں۔ یہ محل ایک اونچے چبوترے پر بنا ہے۔ چبوترے پر چڑھنے کے لئے چاروں سمت سیڑھیاں چار چار ہیں محل کے کمروں کے دروازے اور برآمدے اب کھلے ہوئے ہیں۔ پہلے جالیاں تھیں۔ یہ سہ منزلہ عمارت ہے۔ نیچے کے درجے میں چار کمرے اور دوسرے درجہ میں بھی چار کمرے ہیں سب سے اوپر کے درجہ میں دو برج دار نشستیں ہے۔ نیچے کے حصے میں برآمدے میں جانب اُتر چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں اسی طرح کا شیش محل اس آمیری بیگم کے باپ راجہ بھارا مل کے محلات میں بمقام آمیر تھا۔ اور اب بھی ہے جس میں در و دیوار و چھت میں کچھ عجب قسم کے شیشے جڑے ہیں جن میں اس

کمرہ کے آدمیوں کی تصویر الٹی دکھائی دیتی ہے۔ یعنی سر نیچے اور ٹانگیں اوپر اگر کوئی عورت لہنگا پہنے ہوئے وہاں ہو تو الٹی دکھائی دے گی۔ جس سے اس کے نیچے کا دھڑ ظاہر یاں دکھائی دے گا۔ یہ محل دراصل ہیں اکبر کی سب سے پہلی راجپوت رانی راجہ بھارا مل والی آمیر کی بیٹی کا تھا۔ مگر جب یہ محلات خالی ہوئے اور ان پہ آثار قدیمہ کا قبضہ ہوا تو عوام بھی آنے جانے لگے۔ اور بجائے بھارا مل کی بیٹی کے بیر بل کی بیٹی کا محل اس محل کا نام رکھ دیا کیونکہ بیر بل اکبر کا نورتن بہت مشہور شخص تھا۔ بھارا مل کے نام سے عوام ناواقف تھے۔ آثار قدیمہ والوں نے بھی اس کا نام بیر بل کی بیٹی کا محل رکھ دیا اور اس نام کی تختی محل کے باہر لگادی ۱۹۰۶ئہ میں راقم مضمون نے ہیرے خان صاحب انجینئر محکمہ آثار قدیمہ کی توجہ اس طرف دلائی تھی۔ جب وہ معہ خان بہادر مرزا قسیم بیگ چغتائی ڈپٹی کلکٹر۔ انہیں ان محلات کو دکھلانے کو آئے تھے اور مجھے بھی خان بہادر موصوف نے بوجہ قرابت کے بلوا لیا تھا تب میں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ بیر بل کی کوئی بیٹی اکبر کے حرم میں نہیں تھی۔ پھر اس کی بیٹی کا محل حرم شاہی میں کس طرح بن گیا۔ بیر بل کے علاوہ اور بھی اکبر کے نہایت عزیز نورتن مثلاً ابوالفضل ٹوڈر مل فیضی کے تھے ان کے لئے شاہی محلات کے احاطہ میں محل کیوں نہیں بنا بیر بل قوم کا بھاٹ یعنی رائے تھا۔ ایک بھاٹ کی بیٹی اکبر کے حرم محترم کیسے ہو سکتی تھی۔ دراصل یہ محل بھارا مل کی بیٹی کا محل ہے نہ کہ بیر بل کی بیٹی کا۔ مرزا قسیم بیگ موصوف نے میری تائید کی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آثار قدیمہ والوں نے بجائے بیر بل کی بیٹی کے محل کے تختی پر بیر بل کا محل نام لکھ دیا۔ جو اب تک چلا آتا ہے چنانچہ اب بھی پکچوریل اگرہ (آگرہ بالتصویر) نامی آگرہ اور فتحپور سیکری کی عمارات

کی یا تصویر یہ گائیڈ بک میں جو آگرہ کے مشہور فوٹو آرٹسٹ پی۔ یا لال اینڈ سنز چھپوا کر سیاحوں کو فروخت کرتے چلے آرہے ہیں۔ اس محل کا نام بیربل کا مکان لکھا ہوا ہے اگرچہ اس میں بعد کو یہ نوٹ دیدیا گیا ہے کہ چونکہ یہ محل زنانہ محلات کے حصے میں واقع ہے لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ بیربل اس محل میں کبھی خود رہا ہو۔ یہ ضرور اکبر کی کسی ہندو بیگم کا محل ہے۔ محکمہ آثار قدیمہ والوں کی یہ سنگین غلطی ہے جس کی انہوں نے اب تک اصلاح نہیں کی ہے حالانکہ بیربل کا مکان اس جگہ تھا۔ جہاں ابوالفضل کے مکان کے سامنے کچھ فاصلہ پر ایک کھنڈر پڑا ہے جس کے صحن میں ایک حوض اور فوارے کے آثار بھی باقی ہیں۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ بیربل نے ایک بار اکبر کی دعوت اپنے مکان میں کی تھی۔ تو اکبر اس فوارے کو دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔

نواب شاہجہان بیگم صاحبہ والی بھوپال نے قریب ڈیڑھ سو سال پیشتر آگرہ اور فتحپور سیکری کی سیر کا حال اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے۔ جو چھپ چکا ہے۔ اور جسے عرصہ ہوا میں نے پڑھا تھا۔ اس میں انہوں نے بیربل کے مکان کا چشمدید حال لکھا ہے۔ ان کے زمانہ تک اس مکان کے آثار بہت کچھ سالم تھے۔ اس میں بھی اس فوارے کا تذکرہ ہے مگر محکمہ آثار قدیمہ کا کام تاریخ گردانی نہیں ہے پس بلا شک و شبہ یہ محل جو سب سے زیادہ خوبصورت دوسرے نمبر کا محل ہے۔ اکبر کی سب سے پہلی راجپوت بیگم راجہ بھارا مل والی آمیر حال جے پور ہی کا ہے۔ مسٹر ملیسن نے اپنی کتاب سیاحت

بھارا مل کی بیٹی کا نام ہرکھی۔ اور اسکی سرگذشت

ہائے ہند میں اور جلال الدین شیروانی نے اپنی کتاب تاریخ الاول میں اس بھارا مل کی بیٹی کا نام سروپی لکھا ہے۔ اور اکبر سے شادی ہونے کے قبل کا ایک کارنامہ (ڈرامہ) بیان کیا ہے

کہ اس سروپی کے حسن کا شہرہ سن کر راجپوتانہ کا ایک جاگیردار جسونت سنگھ نام اس سے شادی کرنے کا خواہشمند ہوا مگر سروپی نے اس کے پیغام کو ٹھکرا دیا جب جسونت سنگھ کی سب کوششیں بیکار ہوئیں۔ تو اسنے جان پر کھیل جانے کا ارادہ کر کے جبراً سروپی کو قبضہ میں لانے کے لئے بڑی فوج سے چپ چاپ حملہ کر دیا۔ راجہ بھارا مل نے اپنے وزیر باسدیو کو جسونت سنگھ کے پاس بھیجا کہ ایسا کیوں کیا گیا ہے جسونت سنگھ نے اپنی غرض بیان کر دی اور باسدیو کو رضامند کر لیا۔ باسدیو نے آکر بھارا مل سے صورت حال بیان کی اور صلاح دی کہ جسونت سنگھ حسب نسب میں پورا ہے اس کی درخواست قبول کر لی جائے راجہ نے کہا سروپی کی مرضی نہیں ہے۔ سروپی سے انتزاج کیا تو اس نے سختی سے انکار کے ساتھ جواب دیا کہ میں خودکشی کر لوں گی مگر یہ پیغام منظور نہیں کروں گی۔ اس پر بھارا مل کو بھی تاؤ آگیا اور جنگ شروع ہو گئی جس پر باسدیو نے تو ہیرے کی انگوٹھی چاٹ کر خودکشی کر لی۔ سروپی خود مع اپنی چھوٹی بہن اور اپنے دو سو راجپوتنیوں کے باڈی گارڈ کے ساتھ جو سب آہنی لباس میں سر تا پا غرق اور ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح تھیں اس جنگ میں آکودی جسونت سنگھ میدان جنگ میں موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ اکبر نے سروپی کی یہ بہادری سن کر راجہ بھارا مل کو مبارکباد کا اور اپنی شادی کا سروپی کے لئے پیغام دیا۔ جو سروپی اور راجہ دونوں نے بخوشی منظور کیا۔ اور ۹۶۹ھ میں بڑے احتشام سے یہ شادی بمقام سانبھر (جو ریاست جے پور میں ہے) ہو گئی۔ یہ سروپی اپنے مذہب کی پکی پابند تھی۔ اکبر نے اس کو عارف النسا کا خطاب دیا تھا اس نے اکبر کو دیوتا کہنا شروع کر دیا تھا۔ اور اعلان کرایا تھا کہ اکبر وشنو کا اوتار ہے"

راجہ بیکانیر کی بیٹی کا محل!

آثارِ قدیمہ والوں نے اب اس محل کو راجہ مکیان مل والی بیکانیر کی بیٹی کا محل کہنا اور لکھنا شروع کر دیا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ بتاتے ہیں کہ اس محل کے باہر کی پچھم کی دیوار میں ایک جگہ کیل سے جو سمت ہندی باریک کھدا ہوا ہے وہ وہ سمت ہے جس میں بیکانیر کے راجہ کی بیٹی سے اکبر کی شادی ہوئی تھی۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بیکانیر والی اکبر کی بیگم شاہزادہ دانیال پسر اکبر کی ماں تھی۔ مگر یہ بھی سراسر غلط ہے۔ اول تو دانیال کی ماں اکبر کی ایک خواص تھی جس کا نام بی بی دولت شاد تو تزک میں جہانگیر نے لکھا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ دولت شاد لقب اسی بیکانیر والی ہندو بیگم کو دیدیا گیا ہو۔ دوسرے یہ کہ یہ بیکانیر کے راجہ کی بیٹی ایسی شادی ہو کر اور برات چڑھ کر نہیں آئی تھی۔ جیسے کہ آمیر والی جودھپوری اور جودھپوری بیٹیاں آئی تھیں بلکہ اس کا ڈولہ آیا تھا اور اس کی معمولی حیثیت تھی۔ لہٰذا اس کے لئے ایسا نادر اور بیش قیمت محل بنایا جانا قرینِ قیاس نہیں ہو سکتا پھر بھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ جے پور، امیر اور جیسلمیر وغیرہ کے راجاؤں کی بیٹیوں کے لئے محل یہاں کیوں نہیں بنائے گئے۔ جیسا کہ جودھپور کی بیٹی کا بنا ہے۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ دانیال سے پہلے شاہزادہ مراد بھی ایک حرم سے پیدا ہوا تھا۔ گو وہ حرم مسلمان سعیدہ بانو تھی۔ مگر بیٹا پیدا ہونے کی وجہ سے اکبر اس کا بھی ایسا ہی شاندار محل بنواتا جیسا یہ ہے۔ لہٰذا یہ سب خام خیالیاں ہیں۔ اور نہ معلوم کیوں آثارِ قدیمہ والے اس محل کو اکبر کی سب سے پہلی بیگم راجپوتنی کا تسلیم کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ غرض کہ اصل حقیقت یہی ہے کہ یہ محل راجہ بھارا مل کی بیٹی کا ہے۔ جب ہی تو ایسا خوشنما ہے۔ یہ محل بھی پہاڑ

کی ہموار زمین پر بنا ہے مگر اس محل کا شمال کی جانب کا صحن پہاڑ کی سطح زمین سے باہر کو نکلا ہوا ہے۔ لہٰذا اس کو پہاڑ کی زمین سے ہم سطح اور برابر کرنے کے لئے نیچے پہاڑ تلے سے ڈاٹیں محراب دار دالانوں کی کھڑی کر کے ان محرابوں ڈاٹوں پر یہ فرش صحن محل کا بنایا گیا ہے۔ جیسا کہ محراب دار ڈاٹوں پر جامع مسجد اور بلند دروازہ اور اسکی سیڑھیاں بنائی گئی ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بالتفصیل جامع مسجد کے بیان کے سلسلہ میں تحریر کر چکے ہیں۔ انہی ڈاٹوں کے محراب دار دالانوں میں جو اس شبنش محل کے نیچے جانب شمال ہیں۔ پتھروں کے کھونٹے اور ناندیں بنی ہوئی ہیں۔ جیسی جودہ بائی کی گئو سالہ میں بنی ہیں۔ جس کا ذکر ابھی پہلے کیا جا چکا ہے۔ یہاں بھی ان کھونٹوں اور ناندوں کی موجودگی وجہ سے اس کو گھوڑوں کا اصطبل نام غلطی سے دیدیا گیا ہے جو درحقیقت اس محل کی رانی دختر بہارا مل راجہ آمیر کی گئو سالہ ہے۔ جہاں گائیں بھینسیں بندھا کرتی تھیں مگر یہ گئو سالہ، جودہ بائی کی گئو سالہ سے چھوٹی ہے۔ لہٰذا، زنانہ محلات کے نیچے گھوڑوں کا اصطبل ہونا جیسا کہ پہلے جودہ بائی کے اصطبل مفروضہ کے بیان میں لکھا جا چکا ہے۔ خلاف عقل و رواج و تمدن اور تہذیب ہے پس یہ اصطبل نہیں گئو سالہ ہے۔

> بہارا مل کی بیٹی کے محل کے نیچے بھی اصطبل کہا جاتا ہے جو اس کی گئوسالہ ہے

> مریم محل

مریم کا محل۔ جو اکبر کی پرتگالی یوروپین عیسائی بیگم تھی۔ جودہ بائی کے محل کے سامنے شمال کی طرف شبنش محل آمیر بائی کے محل کے مشرق میں یہ محل ہے جو سنگ سرخ کا ہے جس کو مریم کا محل اور سنہری محل کہتے

ہیں۔ اس کا احاطہ الگ تھا جس کی دیواریں شکستہ ہوگئیں مگر آثار ہیں۔ یہ بہت چھوٹا سہ منزلہ محل ہے جس کی عمارت مستطیل شکل کی۔ باہم پیوستہ ہے ۵۹ - ۱۰×۸ م ۵۰ اس کا رقبہ ہے۔ تین طرف کھلے برآمدے ہیں۔ چار کمرے باہم ملے ہوئے ہیں ایک لانبا مستطیل شکل کا شمالاً جنوباً ہے۔ اور تین چھوٹے چھوٹے کمرے لانبے کمرے کے عموداً جنوب میں ہیں۔ ان تینوں چھوٹے کمروں کے اوپر بالائی منزل میں بھی تین چھوٹے کمرے ۹×۵ ہیں نیچے والا لانبا کمرہ ڈرائنگ روم ہے۔ نچلی منزل کے تمام کمرے اور برآمدے گوناگوں اور عجیب غریب دلکش مناظروں اور تصویروں سے مزین ہیں۔ جو مختلف رنگوں میں پینٹ کی ہوئی ہیں۔ برآمدہ میں دالانوں کی کڑیوں پر چھت کی طرف سونے کے پانی میں رنگین سطح پر فارسی اشعار تحریر ہیں۔ جن میں سے اکثر مٹ گئے ہیں۔ جو پڑھنے میں آتے وہ یہ ہیں۔ مگر یہ بھی اب مٹتے جا رہے ہیں۔

ایں عمارت کز شرف از ہفت گردوں برترا + کعبہ را ماند دلے ایں را صفائے دیگر است

ملتجائے دولت است و مامن امن و اماں + ملجاء تنہ آسمان و قبلۂ ہفت اختر است

از صفائے صحن ایوان فلک را زیب است + ہم ز چوب آستانش آسماں را محور است

عرفہ اش۔ را بہ نزارت گردوں اگر گویم رواست + شمہ اش را اگر بہ از خورشید دانم بہتر است

در نزاکت ہمچو طاق زرنگار آسماں + در لطافت ہمچو قصر لاجورد چنبر است

دیواروں کے مناظر ہیں۔ شاہنامہ فردوسی۔ رامائن۔ مہابھارت کے سین۔ ہاتھیوں کی لڑائی۔ نکارہ گاہ کے منظر دکھلائے گئے ہیں۔ اکبر کے دو ہاتھی بخت بلی اور سبر تابہ نامی لڑ رہے ہیں اور یہ شعر لکھا ہے۔

فوت بخت بلی ببین کہ چہ فتنہ انگیخت + ضرب نہ دیر سبر تابہ کہ مغزش در ریخت

کامن روم کے مغربی دروازہ پر ایک تصویر پینٹنگ میں ہے۔ جیسی عیسائیوں کے کیتھولک گرجوں میں ہوتی ہے کہ فرشتہ جبرئیل ایک بچہ (حضرت عیسیٰؑ) حضرت مریمؑ کو پیش کر رہے۔ اس کو چرچ والے۔ اے نن سی ایشن Annunciation کہتے ہیں۔ اب یہ تصویر آثار قدیمہ کے روغن پھیر دینے سے مٹ گئی ہے۔ مگر اس محل کی پوری تصویر معہ اس تصویر کے مسٹر ایڈ منڈ اسمیتھ کی ضخیم کتاب "مغل آرکی ٹیکچر آف فتح پور سیکری" میں موجود ہے ملاحظہ ہو صفحہ ۲۷ تا ۲۷۳۔ پلیٹ ۔ XIIح۔ کمرہ F۔ اسی تصویر سے ثابت ہے کہ یہ محل اکبر کی عیسائی بیگم کا ہے اس محل کے چبوترہ سے نیچے۔ کوئی چار قدم دور گوشہ جنوب مشرق میں ایک خوبصورت ہال ہے۔ جو دیوار احاطہ محل سے ملا ہوا ہے جس کی بیرونی دیوار میں پر سنگ تراشی اور نقش نگاری کا بہترین جاذب نظر کام کیا گیا ہے۔ دیواروں پر پتھروں میں لہریئے تراشے گئے ہیں جو کاریگری کا شاہکار ہے۔ اس ہال کی بیرونی شمال کی دیوار پر اوپر کے حصے میں چھ عدد صلیبیں یعنی کراس cross بنی ہوئی ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ ہال۔ چرچ یا چیپل عیسائیوں کا عبادت خانہ تھا۔ اس ہال کے اندر "آلٹر" یعنی قربان گاہ اور شمع روشن رکھنے کا طاق ہے۔ جس کے نشانات باقی ہیں۔ یہ صلیب عمودی میں یعنی (Armenian cross) صلیب مصلوب کی طرح نہیں ہیں جو کیتھولک چرچ میں ہوتی ہیں۔ یہ ملکہ میری کا چرچ تھا ان صلیبوں کی بنا پر آرمینین چرچ والے دعویٰ کرتے ہیں کہ میری یعنی مریم۔ اکبر کی آرمینین ملکہ تھی۔ مسٹر ایڈ منڈ اسمتھ نے اپنی کتاب مذکورہ بالا میں اس محل کے متعلق لکھا ہے کہ مریم کی کوٹھی یا سنہرا مکان۔ کہتے ہیں کہ اکبر کی ایک بیگم

بی بی مریم اس میں رہتی تھی۔ بعض صاحبان کا خیال ہے کہ وہ پرتگالی عیسائی تھی۔ لیکن اکبری تاریخوں میں ایسی کسی شادی کا ذکر نہیں۔ اس لئے اس قیاس پر کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو ابوالفضل جو بہت صحیح وقائع نگار ہے۔ ضرور اس کا تذکرہ کرتا۔

اس رائے کی بنا پر آثار قدیمہ والے مریم کے عیسائی ملکہ ہونے کی تردید کرتے ہیں۔ اور اس محل کو بلحاظ نام مریم، مریم زمانی مادر جہانگیر کا محل قرار دیتے ہیں مگر اتنا چھوٹا محل اکبر کی پاٹ رانی، ملکہ مادر شاہزادہ ولیعہد کا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مریم زمانی کا محل وہی جو جودہ بائی مریم زمانی کا محل ہے چنانچہ اس کی بابت میں نے ایک آرٹیکل سال ۱۹۲۶ء میں دہلی کے ہفتہ وار اخبار حریت میں شائع کیا تھا۔ اور وہی مضمون دربارہ ۱۹۵۶ء قومی زبان ... کراچی میں شائع ہوا ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ اکبر کی یورپین عیسائی ملکہ مریم نام کی تھی جس کا زندہ ثبوت اب بھی موجود ہے کہ اس ملکہ مہری (مریم) کی حقیقی بہن جو لیانا کی اولاد بوربون فیملی آج بھی ریاست بھوپال میں موجود ہے۔ اکبر نے اپنی سالی اس جولیانا کی شادی فلپ بوربون شہزادہ فرانس سے کر دی تھی جو فرانس سے بھاگ کر ہندوستان میں آیا تھا۔ کیونکہ اس وقت فرانسیسی ہندوستان میں بہ سلسلہ تجارت آکر یہاں ممتاز پوزیشن حاصل کر چکے تھے یہ جولیانہ اکبر کی حرم میں لیڈی ڈاکٹر تھی۔ وہ مضمون بہت طویل ہے۔ ہم مختصراً ان کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ جن سے ثابت ہے کہ اکبر کی ایک یورپین عیسائی ملکہ تھی۔ ابوالفضل نے آئین اکبری یا اکبر نامہ میں اکبر کی سب بیگمات کا حال

نہیں لکھا ہے۔ چند خاص خاص کا نام لکھا ہے اور یہ آئین اکبری۔ اکبر کی سوانح عمری یا تاریخ کی کتاب نہیں ہے بلکہ اس میں اکبری آئین کے زمرہ میں جو حالات قابل تحریر تھے وہ لکھ دیئے ہیں۔ اور خود یورپین مورخ ابوالفضل کو قابل سند نہیں مانتے۔ ایک انگریز مورخ ایچ بیوریج جنہوں نے ابوالفضل کے اکبر نامہ کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ مطبوعہ ۱۹۰۷ء میں لکھتے ہیں کہ ابوالفضل لائق تعریف مصنف نہیں ہے۔ وہ بہت بڑا خوشامدی ہے۔ وہ بلا دریغ واقعات کو چھپاتا ہے یا توڑ مروڑ کر پیش کرتا ہے اس کا طرز تحریر بھی نفرت انگیز ہے" طبقات اکبری مصنفہ نظام الدین جس کے بہترین تصنیف ہونے کی تعریف ملا عبدالقادر بدایونی، باثرالامرا اور مسٹر ارسکن وغیرہ یورپین مورخوں نے کی ہے۔ اس میں اور ابوالفضل کے بیانات میں نمایاں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اگر ابوالفضل و ملا بدایونی۔ یا نظام الدین نے اکبر کی جملہ بیگمات خصوصاً غیر مسلم بیگمات کی تفصیل نہیں لکھی تو اس کی یہ وجہ ہے کہ خالص تاتاری، ترک کی خون میں غیر قوم کے خون کی آمیزش باعث ننگ اور خرابی نسل تصور کی جاتی تھی جیسا کہ جے ٹالبائز وہیلر نے اپنی تاریخ ہند مطبوعہ ۱۸۷۶ء جلد چہارم کے حصہ اول صفحہ ۱۳۴ پر اکبر کی راجپوت لڑکیوں کی شادی کے بارہ میں لکھا ہے کہ ان شادیوں کو عام مسلمان بری نظر اور بد دلی سے دیکھتے تھے کہ مغلوں کی خالص تاتاری نسل دوغلی نسل کہلائی جانے لگی۔ مگر کسی کو یہ جرأت نہ تھی کہ بادشاہ پر حرف گیری کر سکتا۔ لیکن اکبر کی ان بیگمات کے نام مسلمان مورخوں نے کہیں نہیں تحریر کیئے۔ جہانگیر نے کسی ایک جگہ بھی اپنی ماں کا نام نہیں لکھا۔ نہ اس طرف اشارہ

کیا کہ وہ کون تھی "

اسی زمانہ کی تاریخوں میں صرف بعض ان مشہور بیگمات کا تذکرہ ہے جن کی شادی خاص دھوم دھام سے رچائی گئی تھی۔ اور ان میں پولیٹیکل یا خاص ملکی اہمیت اور حکمت عملی مدنظر تھی۔ جن بیگمات کے ڈولے آئے یا کسی بلا کسی نام و نمود کے داخل حرم ہوئیں ان کا ذکر مصلحتاً یا غیر ضروری سمجھ کر نہیں کیا۔ دوسرے زنانہ محلات اور پردۂ عصمت کے جملہ حالات کا منظرِ عام پر لانا۔ خلاف آداب شاہی تصور کیا گیا۔ انگریز مورخین نے اس مریم عیسائی کی شادی کے واقعہ پر اس لئے پردہ ڈالا کہ اس کو اپنے قومی وقار کے خلاف خیال کیا۔ تاہم بعض بعض نے اس پر مفصل طور سے لکھا ہے کہ واقعی اکبر کی عیسائی حرم مریم نامی تھی مثلاً

(۱) انگریزی کتاب "ہندوستان میں آرمینیا کے باشندے" مصنفہ میسروپ جیکب سیٹھ ایم آر اے ایس یہ گولڈ میڈلسٹ آرمینین کالج کلکتہ مطبوعہ کلکتہ ۱۹۳۷ء میں بدلائل ثابت کیا ہے کہ اکبر کی عیسائی ملکہ تھی۔ جو بنگالی کہی جاتی ہے۔ مگر وہ آرمینین تھی۔ اور اس کی بہن جولیانا حرم اکبر کی لیڈی ڈاکٹر شاہزادہ جین فلپ بوربون۔ فرانس کی زوجہ تھی۔ شاہزاد فلپ بوربون ۱۵۶۰ء میں ہندوستان میں اپنی قسمت آزمائی کے لئے بھاگ کر آگیا تھا۔ اکبر تک رسائی ہوئی۔ تو اس نے یہ شادی اسے شاہزادہ سمجھ کر کر دی۔ اس جولیانا نے آگرہ میں سب سے پہلا کیتھولک گرجا بنوایا تھا۔ اور جہاں جولیانا اور فلپ بوربون کی قبریں ہیں۔"

(۲) کرنل ڈبلیو کنکیڈ، انڈین پولیٹیکل سروس نے ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو

جنوری ۱۸۷۷ء میں ایک مضمون شائع کرایا تھا جس میں مذکورہ بالا۔ جولیانا۔ اور بوربون کے واقعہ شادی کی تصدیق کی اور لکھا کہ بوربون خاندان کے لوگ بھوپال میں موجود ہیں۔ اور فتح پور سیکری میں اب تک اکبر کی عیسائی ملکہ مریم کا محل موجود ہے۔

(۳) ہنری جارج کین۔ مورخ نے اپنی تاریخ ہندوستان میں لکھا ہے کہ اکبر نے ایک آرمینین لڑکی سے شادی کی تھی۔

(۴) سر ولیم ہنٹر۔ مورخ۔ اپنی تاریخ انڈین ایمپائر میں لکھتے ہیں کہ اکبر کی ایک عیسائی بیگم تھی۔

(۵) فریڈ "لوئی رسولٹ" اپنی کتاب انڈیا اینڈ اٹس پرنسیز" میں لکھتا ہے کہ آگرہ میں اکبر کے مقبرہ کے پاس بادشاہ کی عیسائی بیگم مریا کی قبر ہے

(۶) مشہور سیاح ڈل لیسٹ (Dellacet) اپنی کتاب "مغل اعظم کی سلطنت" میں لکھا ہے کہ اکبر کے محلات کا ایک حصہ اکبر کی بیگم میری میکلین کا محل ہے۔

(۷) ہنیری بلاک مین۔ مترجم آئین اکبری نے ایک نوٹ میں لکھا ہے کہ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اکبر کی ایک بیگم آرمینین تھی۔

(۸) نامور فینتھم اپنی مشہور کتاب "آگرہ کی یادیں ..... Fatham ..... Reminiscence of Agra" ..... میں بڑے وثوق سے لکھتے ہیں کہ میرے ذخیرہ میں ایسی معلومات ہیں جو مجھے یقین کرنے پر آمادہ کرتی ہیں کہ اس بیان میں بہت زیادہ صداقت ہے کہ اکبر کی ایک عیسائی بی بی تھی جس کا نام مریم تھا۔"

(۹) مسٹر سالویڈر بوربون ساکن بھوپال نے جو وہاں فوج میں عہدہ

تھے۔ ۱۹۴۵ء میں مجھے ایک کتاب کا مسودہ دکھایا جسے وہ لکھ رہے تھے اور اس میں اپنے کو اکبر کی سالی جولیانا زوجہ شاہزادہ فلپ بوربون کی اولاد میں ہونا ثابت کیا ہے اس خاندان کے کچھ لوگ فرانسیسی۔ گوالیار اور لکھنؤ میں بھی آباد ہیں۔ مسٹر بوربون نے مجھے لوئی روسلیٹ کی کتاب انڈیا اینڈ برٹش پرنسیز مطبوعہ لندن ۱۸۸۳ء دکھائی تھی جس میں بہ تشریح لکھا ہے کہ اکبر کی عیسائی بیگم پرتگال کی تھی اور اس کی بہن جولیانہ کی شادی اکبر نے شاہزادہ فلپ بوربون سے کی تھی۔ جو ہنری چہارم بادشاہ فرانس کے عہد میں بھاگ کر ہندوستان آیا تھا۔

(۱۰) ایک پرتگالی مصنف موسومہ اسماعیل گرلشیبیا نے اپنی کتاب موسومہ "دربار مغل اعظم" میں پرتگالی خاتون" میں بوضاحت لکھا ہے کہ میریا نامی پرتگالی لڑکی سے اکبر نے اپنی شادی کی اور اپنی چھوٹی بہن جولیانہ سے جو لیڈی ڈاکٹر تھی فلپ بوربون فرانسیسی شاہزادہ کی شادی کردی یہ کتاب مسٹر بوربون آف بھوپال کے پاس ہے۔ مجھے دکھائی تھی۔

(۱۱) ۱۸۳۲ء میں آگرہ کے بشپ اپیاسٹالک (Bishop Apostolic) نے تحقیق کر کے لکھا ہے کہ جولیانہ اکبر کی حرم سرا کی لیڈی ڈاکٹر تھی جس نے بیسیوں پادریوں کی آگرہ میں بڑی امداد کی تھی (بحوالہ جیف جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (۱۸۴۸ XXI و ۴۸ - XV باب صفحہ ۹۳)

(۱۲) میجر جنرل میلکم۔ انڈین پولیٹیکل سروس نے اپنی کتاب یادگارہائے صوبہ وسط و مالوہ وصوبہ جات ملحقہ" مطبوعہ لندن ۱۸۲۳ء میں لکھا ہے کہ فلپ بوربون کی شادی اکبر بادشاہ کی سالی جولیانہ سے ہوئی تھی۔

(۳) سر ایڈورڈ میکلاگن۔ گورنر پنجاب کی کتاب جیسوئٹس اینڈ دی گریٹ مغل (جیسوئٹ پادری اور مغل اعظم) میں ایک باب اکبر کی عیسائی بیوی میں لکھا ہے کہ یہ ایک اٹل داستان موجود ہے۔ کہ اکبر کی عیسائی بیوی تھی۔ جو پرتگالی تھی جس کا میری نام تھا۔ اور حسب ذیل حوالے دیئے ہیں۔

(الف) مسٹر سی اے کنکیڈ کی انگریزی کتاب "تلسی پودے کی داستان" (Tale of the Tulsi Plant) مطبوعہ ۱۹۰۸ء میں لکھا ہے کہ میریا میکرینا پرتگالی لڑکی اکبر کی عیسائی بیوی تھی۔

اور بحوالہ بمبئی گزیٹیر لکھا ہے کہ ۱۵۵۳ء میں مغلوں سے اور لسبین اور ڈامن کے پرتگالیوں سے جو جنگ ہوئی تھی۔ اس جنگ کا خاتمہ ایک پرتگالی خاتون نے جو اکبر کے محل میں رہتی تھی۔ کرا دیا تھا۔ (ملاحظہ ہو مسٹر کیمپبل کا بمبئی گزیٹیر جلد XIII تھانہ صفحہ ۴۵۱)۔

(ب) ڈی لیسٹ نے اپنی کتاب انڈیا ویرا ۱۶۳۱ء (INDIA VERA) میں لکھا ہے کہ اکبر کی عیسائی بیوی کا نام میریا میکینی تھا۔

سر ایڈورڈ میکلاگن گورنر نے اپنی کتاب مذکورہ بالا میں یہ بھی لکھا ہے کہ اکبر کے مقبرہ کے پاس سکندرہ آگرہ میں جو مقبرہ ہے۔ وہ کیتھولک عیسائیوں کی روایت کے مطابق اکبر کی عیسائی ملکہ۔ میری کا مقبرہ ہے۔ باوجود اختلاف کے میری (Mary) کا نام ان سرکاری دستاویزات میں جو جیسوئٹ پادریوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور آگرہ کے کیتھولک مشن کے سرکاری پرانے ریکارڈ (Archives) میں محفوظ ہیں۔ جابجا ملتا ہے۔ ان دستاویزات میں ایک دستاویز سال ۱۶۰۷ء

اور نیز ایک پروانہ شاہ عالم بادشاہ دہلی کا ہے ۱۷۶۴ء والی دستاویز ایک بیان ہے جو میریا پیاری کا اس مضمون کا ہے کہ وہ محل جس میں وہ رہتی ہے اس کی ملکیت نہیں بلکہ پادریوں کی ملکیت ہے ۱۶۴۱ھ (شاہجہان بادشاہ کا دور حکومت تھا) لیکن ایسی کوئی اطلاع نہیں ملتی کہ میریا پیاری اور آگرہ کے کاغذات والی مریم آیا ایک ہی ہیں یا الگ الگ۔ (دیکھو حوالہ کے لئے کینتھالک کلنڈر اور ڈائرکٹری برائے آرچ بشپ آگرہ سال ۱۹۱۷ء فلپس (Felix) صفحہ ۱۲۶ جرنل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال V ۱۹۱۶ء صفحہ ۱۱۷۔ جے۔ پی۔ ایچ۔ ایس وی ۱۹۱۶ء (فلپس F. ...) اور آخر میں میکلاگن صاحب گورنر موصوف لکھتے ہیں کہ اندریں حال صاف اور صریح تشریحات اس روایت کی موجود ہیں کہ اکبر کی ایک عیسائی بیگم موسومہ میری تھی۔ ٹالبائز وھیلر نے بھی اپنی کتاب ہندوستان کی تاریخ کی دراز مطبوعہ لندن ۱۸۸۱ء میں اکبر کی عیسائی کی بیوی کا حال لکھا ہے۔"

جنوری ۱۹۴۲ء میں آگرہ کے کلکٹر اور مجسٹریٹ ضلع مسٹر اوئنس (Owens) معہ ایک اٹلی کے پادری فادر لیو (Father Leo) کے۔ فتحپور سیکری میں آئے۔ پادری مذکور یہ تحقیق کرنے آئے تھے کہ آگرہ کے چرچ کے کاغذات میں جو اکبر کی بیگم میری لکھا ہے اس کے متعلق فتحپور کے محلات دیکھنے سے کوئی اطلاع مل سکتی ہے۔ انھوں نے مجھ سے ملاقات کی اور میں نے انکو مریم کا محل اور اس کا ملحقہ گرجا اور صلیبیں دکھائیں۔ جنکو دیکھ کر انھوں نے بڑے وثوق سے تصدیق کی یہ گرجا ہے اور یہ تمغہ صلیبیں در اصل صلیبیں ہیں۔

جو کیتھولک چرچ میں ہوتی ہیں اور کہا میرا بیان بحیثیت دہلی کے کیتھولک پادری ہونے کے سند مانا جائے اور وہ ایک چٹ پر اپنا پورا نام لکھکر مجھے دے گئے کہ اگر ضرورت پڑے تو ان سے خط کتابت کی جائے اور وہ میرا ۱۹۴۶ء والا مضمون متعلق اکبر کی یوروپین عیسائی ملکہ مطبوعہ اخبار حریت دہلی اپنے ساتھ لے گئے اور مجھ سے کہا کہ آگرہ کیتھڈرل (بڑے چرچ) کے فادر ہیاننتھ کے پاس ایسے دستاویزات ہیں جنمیں اکبر کی عیسائی بی بی مریم کا ذکر ہے اور وہاں کے چرچ سے ملحق عیسائیوں کے قبرستان کے متعلق یہ ریکارڈ ہے کہ اکبر کی ملکہ میری نے قبرستان کے لئے یہ زمین عطا کی تھی - میں آگرہ جاکر فادر ہیاننتھ سے ملا کہ پرانا ریکارڈ متعلق چرچ دیکھ سکوں مگر پادری صاحب مذکور نے اسے دکھانے سے معذوری ظاہر کی - مگر مجھے ایک مضمون نوشتہ اے - سی کمفلیٹڈ پولیٹیکل ایجنٹ بھوپال جن کے والد جنرل کنفیلڈ بھی بھوپال میں پولیٹیکل ایجنٹ تعینات رہ چکے تھے مطبوعہ السٹریٹڈ ویکلی آف بمبئی ۱ ستمبر ۱۹۴۶ء دکھایا جس میں بڑی تفصیل اور تحقیق سے بوربون فیملی کا خاندانی حال لکھا ہے اور پوری تاریخ ملکہ میری زوجہ اکبر اور اس کی بہن جولیانا زوجہ فلیپ بوربون کی لکھی ہے - جس سے میرے مضمون کی تائید ہوکر یہ بات محقق ہو گئی کہ اکبر کی عیسائی یوروپین بی بی مریم پر تنگائی تھی جس کو آثار قدیمہ والے تسلیم نہیں کرتے - اور اپنی ہٹ دھرمی پر قائم چلے آتے ہیں - علاوہ اس سب تفصیل کے خود یہ محل اپنی زبان حال سے بتلا رہا ہے کہ یہ عمارت یوروپین طرز کی ہے نہ کہ مشرقی طرز کی - اور اسی بنا پر حکومت انگریزی نے قبل لارڈ کرزن وائسرائے اس کو یوروپین سیاحوں کے ٹھہرنے کیلئے

بطور ڈاک بنگلہ استعمال کیا تھا۔ اور گرجا گھر کو باورچی خانہ کے طور پر استعمال کیا تھا۔ لارڈ کرزن نے خالی کرایا۔ اور الگ ڈاک بنگلہ بنوا دیا۔

عمارت دفتر خانہ۔ جو اصل میں اکبر کا درشن جھروکہ ہے نہ کہ دفتر خانہ

درشن جھروکا

جودھ بائی کے محل سے کچھ نشیب کی طرف پہاڑ کے کنارہ پر ایک کھلی ہوئی عمارت ہے جسمیں دالان در دالان ہیں اور اُن کے کنارہ پر بیچ میں بالکل پہاڑ کے کنارہ پر ایک بالکنی عمدہ معہ برجی کی بنی ہے جسکا رخ پہاڑ کے نیچے آبادی کی طرف ہے۔ یہ عمارت بھی مغربی سیاحوں کے ٹھہرنے کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ اور جب نیا ڈاک بنگلہ اُن سیاحوں کے لئے لارڈ کرزن نے بنوا دیا تب یہ خالی ہوئی۔ یہ عمارت اکبری خواب گاہ کے نیچے ایک باغ (اب میدان) کے دکن طرف ہے جہاں میدان میں پائین باغ شاہی زمانہ میں تھا۔ خواب گاہ اکبری دو منزلیں ہیں۔ نیچے کی خواب گاہ موسم سرما کے لئے تھی اور بالائی منزل کی خواب گاہ موسم گرما اور برسات کے لئے۔ اس بالائی اور زیرین خواب گاہ میں بھی ایک ایک درشن جھروکا بنا ہے جہاں اکبر بیٹھ کر اہالیان محل اور اپنے خاص ملازمین کو اپنے درشن کراتا تھا۔ اور یہ عمارت موسوم بہ دفتر خانہ وہ جگہ ہے جہاں اکبر درشن جھروکہ میں بیٹھ کر عوام رعایا کو اپنے درشن کراتا تھا۔ خود یہ عمارت اپنے منہ سے بول رہی ہے کہ میں درشن جھروکہ ہوں مگر محکمہ آثار قدیمہ اس کو دفتر خانہ کے نام سے موسوم کرتا ہے جو قطعی غلط ہے کیونکہ یہاں دفتر کا ہونا کسی طرح بھی قرین قیاس نہیں ہے۔ یہ سب پرائیویٹ محلات کا

حصہ ہے اور یہ عمارت درشن جھروکا ہے

خوابگاہ اکبر۔ اکبر کا محل شب

خواب گاہ اکبر یا اکبر کا محل شب

اکبر کی خواب گاہ کے دو حصے ہیں۔ زیریں اور بالائی۔ زیریں حصہ۔ ترکی سلطانہ رقیہ بیگم کے نگینہ محل کے قریب ہے۔ خوابگاہ اور محل کے درمیان چار چمن نام ایک حوض ہے جو انوکھی طرز کا ہے خواب گاہ کا بالائی حصہ بہت منقور و مزین تھا۔ اور زنگار رنگ نقش و نگار در و پر تھے جنھیں "فرسکو" انگریزی میں کہتے ہیں۔ ایک چوطرفہ دروازوں کا کمرہ ہے جو نہایت ہوادار ہے اس کمرہ کے چاروں طرف برآمدے (دالانڈے) ہیں جن کے ستونوں کے سرداوں پر بھی جنہیں چھت قائم ہے۔ رنگ آمیزی کے نقش و نگار تھے جو اب مٹ سے گئے ہیں۔ جو باقی رہ گئے ہیں وہ اب بھی نہایت دیدہ زیب ہیں۔

بیچ کے کمرہ میں جو خاص خواب گاہ ہے چاروں دروازوں کے اوپر ہری زمین پر سونے کے پانی سے یہ اشعار لکھے ہیں جن سے نظر میں چکا چوند پیدا ہوتی ہے۔

ڈھیر شاہ است بہ ہر باب بہ از خلد بریں
تخنے نیست دریں باب کہ خلد است بریں

(بادشاہ کا محل بہ ہر صورت خلد بریں سے بہتر ہے)
(اس بارہ میں کوئی کلام نہیں کہ یہ خلد بریں ہے)

غرفۂ شاہ نشین دخوش و مطبوع و دلبند
کردہ در قطعہ او جنت اعلیٰ تضمین

(بادشاہ کے بیٹھنے کی کھڑکی یعنی درشن جھروکا بہت اچھا دل پسند اور اونچا ہے کہ قطعہ (نظم کی ایک قسم قطعہ) میں جنت کو تضمین کیا گیا ہے)۔

فرشِ ایوانِ ترا آئینہ سازد رضواں   خاکِ درگاہِ ترا سرمہ کند حور العین

(تیرے محل کے فرش کو رضواں (داروغہ جنت) آئینہ بناتا ہے اور تیری درگاہ کی خاک کا آنکھوں والی حور سرمہ بناتی ہے)۔

چوں ملک ہر کہ کند سجدۂ خاکِ درِ تو   شود از خاصیتِ خاکِ درت زہرہ جبین

(اگر فرشتہ کی طرح کوئی تیرے دروازہ کی خاک پر سجدہ کرے۔ تو تیرے دروازہ کی خاک کی خاصیت سے اسکی پیشانی مثل ستارہ زہرہ کے چمکنے لگے۔

زیرین خواب گاہ میں کئی مزین و منقش کمرے ہیں اور تخت سنگین پلنگ نما ہے جس پر مسہری بچھتی تھی۔ اوپر کی خواب گاہ میں آنے جانے کا راستہ غیر مسلم بیگمات کے محلات کی طرف سے بھی ہے۔ مریم کے محل کے گرجا کے پاس سے اوپر آنے کا زینہ ہے اور خواب گاہ تک باپردہ بہت کشادہ آراستہ راستہ ہے اور یہی باپردہ راستہ دوسری جانب۔ جنوب کی طرف پنج محلہ (پانچ منزل کا محل) تک چلا گیا ہے۔ جو اس پنج محلہ (جو ہوا محل بھی ہے) کی تیسری منزل سے ملتا ہے جہاں اوپر کی منزلوں تک جانے کا زینہ ہے۔ ایک دوسرا زینہ اس بالائی خوابگاہ میں آنے کا نیچے کی خواب گاہ کے پاس سے بھی ہے۔ اس خواب گاہ کے برابر باہر کو دو منزلہ کئی در کی ایک عمارت ہے جس کا پٹاؤ بہت زیادہ نیچا ہے در کھلے ہیں۔ جہاں محفل رقص و سرود اس عمارت کی اوپر کی منزل پر منعقد ہوتی تھی اور اس نیچے کی منزل میں جس کا پٹاؤ قد آدم سے کچھ اونچا ہے۔ قلقانیاں اور خواصیں بیگمات کی خدمتگار کھڑی رہا کرتی تھیں۔ یعنی ہر وقت خدمت کے لئے حاضر اور نیز بطور محافظ کھڑی رہتی تھیں اس قدر نیچا پٹاؤ ہونے کی ایک یہ بھی

وجہ معلوم ہوتی ہے کہ یہاں گرمیوں میں خس کی ٹٹیاں دروں میں لگائی جاتی تھیں۔

چار چمن نامی تالاب چوسر نما چار چمن تالاب جس کے اوپر چار راستے بطور پل بنے ہیں جو بیچ میں ایک تخت سنگین تک آتے ہیں۔ خواب گاہ کے برابر جانب شمال یہ چمن یعنی تالاب ہے۔ جس کے کئی درجے ہیں۔ اوپر کے درجہ میں پانی ٹھہرا رہتا ہے نیچے کے درجے میں جانے کے لئے اوپر کے والے درجہ میں سیڑھیاں بنی ہیں ان سے اتر کر جاؤ تو پھر پانی کا دوسرا درجہ زیریں چمن کا ملتا ہے اوپر کے درجہ میں بطور پل آنے جانے کے لئے درمیان میں خلا بنصف گز کے قریب چوڑے راستے چاروں سمت سے آتے ہیں جو ستونوں پر چمن میں قائم ہیں۔ اور جہاں یہ چاروں پل یا راستے آکر ملتے ہیں۔ وہاں ایک سنگین چبوترہ ہے جس پر تخت رکھا جاتا تھا جہاں بادشاہ یا ملکہ بیٹھا کرتے تھے۔ یہ بشکل بساطِ چوسر یا چوپڑ یعنی پچیسی کے ہے جیسا کہ پچیسی (چوسر کھیلنے کا فرش) فرش اکبر کے مردانہ حصہ محلات میں دیوان خاص کے عین سامنے وسیع صحن میں بنا ہے۔ اور دیوان خاص کی بالائی منزل بھی اسی نمونہ کی ہے یعنی چوپڑ نما ہے

پچیسی یعنی چوسر کا فرش یا شب کا دیوان خاص

چوسر کھیلنے کا پچیسی فرش (چوپڑ)

مردانہ حصہ محلات میں جو نگینہ محل اور چار چمن سے ملا ہوا ہے بیچ میں دیوار حد فاصل ہے یہ ایک بہت بڑا وسیع صحن سنگ سرخ کا ہے۔ اس کے بیچ میں یہ چوپڑ کا فرش بنا ہے جس کی شکل چوسر پچیسی کھیلنے کی بساط کی طرح ہے اور اس کے چاروں ضلع (طرفین یا بازو) اور چاروں کونے رنگین پتھر کے ہیں۔ یہ ضلع کئی گز لانبے ہیں اور چاروں کونے بھی اتنے بڑے

بڑے ہیں کہ ان پر ایک تخت بچھ سکتا ہے۔ اس فرش کے متعلق یہ بیہودہ اور لغو حکایت بیان کی جاتی ہے کہ یہاں اکبر چوپر کھیلتا تھا۔ اور بجائے گوٹوں کے مجسم خوبصیں بٹھائی جاتی تھیں اور اس فرش کے بیچ میں ایک سنگ سرخ کا تخت نصب ہے۔ وہاں بیٹھی ہوئی گوٹوں کے بجائے خود اکبر بیٹھ کر چوسر کھیلتا تھا۔ یہ بے بنیاد افواہ ہے جو محض اس فرش کو چوپی نما شکل دیکھ کر اڑائی گئی۔ حالانکہ یہ چوسر نما فرش محض زیب و زینت اور خوشنمائی کے لئے بنایا گیا ہے۔ اس میں رنگ بھرا گیا تھا۔ جیسا کہ جامع مسجد کے بلند دروازے کے پلیٹ فارم (چبوترے) پر فرش پر بیچ میں ایک شطرنجی فرش۔ بساط شطرنج نما بنایا گیا ہے۔ محض زیبائش کے لئے نہ کہ شطرنج کھیلنے کے لئے۔ اکبر سا سپہگر فوجی جوان اور مصروف کارزار بادشاہ جو دن رات امور سلطنت کے نظم و نسق میں منہمک رہتا تھا اس کو بیکار عیش پرست قمار باز ظاہر کیا جاتا ہے۔ بھوپال ریاست کے کتب خانہ حمیدیہ میں میں نے ایک انگریزی کتاب میں یہ تصویر دیکھی جو لارڈ نارتھ بروک وائسرائے ہند کو دور انگریزی میں پیش کی گئی تھی۔ یہ ایک فرضی تصویر بنائی گئی ہے کہ تخت پر بیچ میں اکبر بیٹھا ہے۔ آگے پیچوان حقہ رکھا ہے جس کی نال اکبر کے منہ میں ہے۔ چتر بردار چتر کا سایہ کئے گھیرے کھڑے ہیں اور چاروں رنگ، ہری، پیلی، لال اور کاہی میں بجائے گوٹوں کے عورتیں بیٹھی ہیں۔ جو شکل اور صورت سے گنوار قسم کی ہیں۔ ایسی ہی شکل ان لوگوں کی ہے جو اکبر کے گرد جمع ہیں۔ یہ فرضی تصویر محض اس چوسر نما فرش کی بنا پر بنائی گئی۔ ورنہ دراصل یہ چوپی فرش اکبر بادشاہ کا رات کا۔ خاصکر چاندنی رات کا۔ دیوان خاص تھا۔ جہاں وہ

وزراء کے ساتھ اجلاس کیا کرتا تھا۔ جیسا کہ اس پچیسی فرش کے عین مقابل میں اسی طرز کا چار کونوں والا ایوان خاص محل اکھمبہ ہے۔ کھم کے اوپر بادشاہ کا تخت اور چاروں طرف چوسر نما چاروں اطراف میں بادشاہ کے چار وزیر یا اے ڈی سی بیٹھتے تھے وہی شکل یہاں بھی ہے۔ یہاں بھی بیچ میں اکبر بادشاہ اور چاروں سائڈس (اطراف میں) چاروں وزیر یا اے ڈی سی بیٹھتے تھے اور سلطنت کے چاروں سمت کے صوبوں کے لئے احکام جاری ہوتے تھے ایسی ہی چوسر نما شکل جیا چمن کے اوپر اکبر اور اس کے چاروں وزراء یا اے ڈی سی بیٹھنے کی ہے جسکا ذکر آگے آئے گا چنانچہ عہد بادشاہ عالمگیر میں جب راجہ جے سنگھ والی آمیر نے موجودہ شہر جے پور آباد کیا تو شہر کا نقشہ اسی چوسر کے نمونہ پر بنایا۔ شہر کے بیچ میں دو چوپڑ نما بازار موسومہ آمیر کی چوپڑ اور سانگانیر کی چوپڑ بنائے جو محض شہر کی خوبصورتی کے لئے ہیں۔ بیچ میں گوٹوں کے رکھنے کی جگہ حوض و فوارہ اور چاروں اطراف میں چار چار سڑکیں اور بازار ہیں۔

اکھمبہ محل یا دیوان خاص

اکھمبہ محل یا دیوان خاص یہ ایک نادر اور عجیب قابل دید عمارت ہے جسکی خوبصورتی اور صنعت سنگ تراشی کی شاہکاری اور سحر کاری صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے ایک بڑے ہال۔ سنگ سرخ کے بیچ میں یہ کھم کھڑا کیا گیا ہے جو عجیب قسم کے چکنے کشمشی گہرے رنگ کے پتھر کا ہے جسکو معکا کہتے ہیں یہ ایک طرز کا چنبیلی کا پھول بنایا گیا ہے۔ یہ کھم اس پھول کا تنا ہے اور اس کے اوپر چار
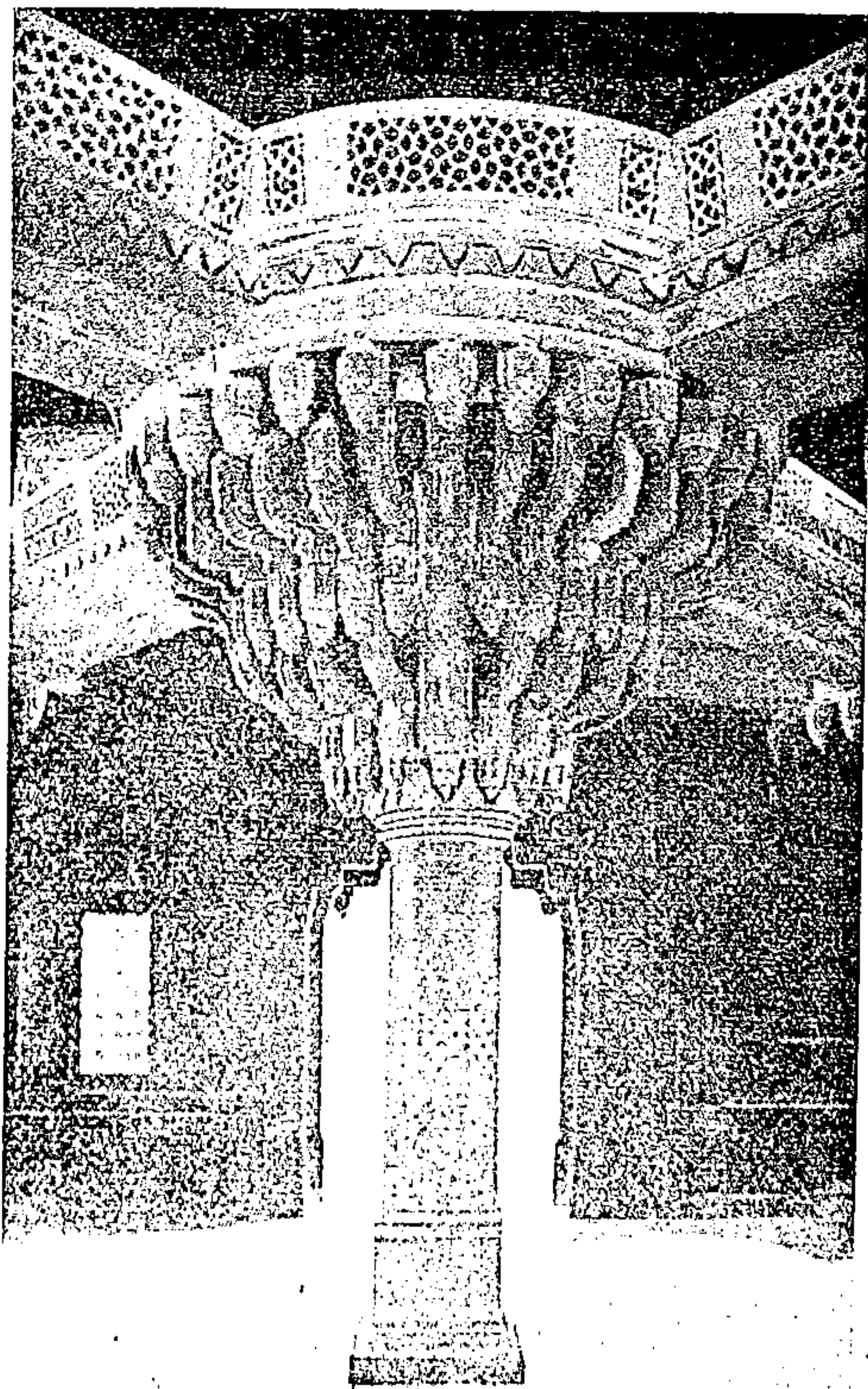
اکھمبہ نشست اکبر بادشاہ درمیان ہال دیون خاص

پچ محلا (ھوا محل)
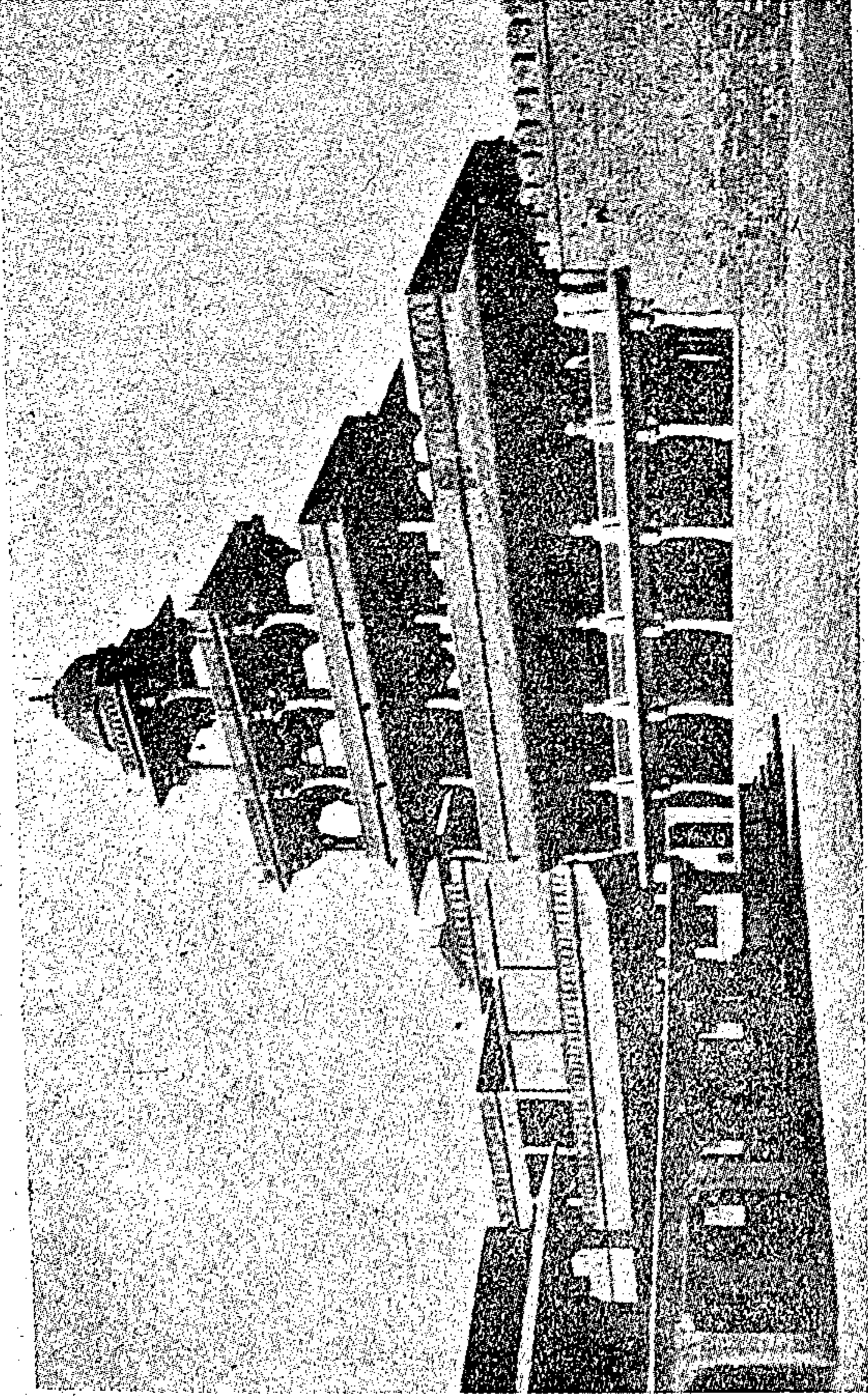
پنکھڑیاں ہیں یعنی چار بازو بنے ہیں۔ کھم کے سرے پر یعنی کھم کے اوپر کے حصہ میں چوطرفہ جو سنگ تراشی کی گئی ہے اور چاروں طرف جو لہریئے دار مورنیاں انوکھے طرز کی بنائی گئی ہیں۔ وہ اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ ان کو دیکھ کر بے ساختہ واہ واہ منہ سے نکلتی ہے اس کھم کے سر کے اوپر گول جگہ ہے جہاں تخت شاہی پر اکبر بیٹھتا تھا اور چاروں بازوؤں پر جو کہ چوسر کے نمونہ کے ہیں یعنی پھول کی چاروں پنکھڑیوں پر چاروں کونوں پر چار وزیر یا اسے بڑی سی بیٹھتے تھے۔ تخت کی جگہ کے گرد اور چاروں بازوؤں کے گرد ۳۔۴ فٹ کی جالیدار دیوار کھڑی کی گئی ہے ان بازوؤں یعنی پنکھڑیوں کی بیچ میں جگہ خالی ہے جہاں سے نیچے کا ہال جہاں دیگر اُمرا بیٹھتے تھے نظر آتا ہے یہاں دیوان خاص کا اجلاس ہوا کرتا تھا چاروں کونوں کے وزرار کو مملکت کے چاروں سمت کے صوبوں کے لئے احکام اجرا ہوتے تھے۔ یہی شکل اس کھمبہ کے محل کے سامنے کے میدان میں فرش پر پچیسی فرشا کی ہے جسکا اوپر بیان ہوا۔ یہ کھم ۱۶ فٹ کے قریب بلند ہے کھم گول ہے اس کا قطر قدآور انسان کے بازوؤں میں نہیں آتا۔ باہر سے یہ عمارت سہ منزلہ معلوم ہوتی ہے مگر دو منزل ہے جہاں اوپر تخت شاہی ہے اُس کے گرد کمرے ہیں اور ان کے گرد گیلریاں ہیں جو صرف اتنی چوڑی ہیں کہ انمیں ایک ہی شخص کھڑا رہ سکے۔ یہاں اکبر کا باڈی گارڈ چوطرفہ حفاظت کے لئے کھڑا رہتا تھا۔ یہ گیلریاں اور کمرے دوسری منزل معلوم ہوتے ہیں مگر ایک ہی منزل ہے۔ دوسری منزل اُس کی چھت پر ہے اوپر کی گیلری تک جانے کے لئے ہال میں سے دو زینے ہیں ایک بادشاہ کے چڑھنے اُترنے کا اور دوسرا وزیروں کا۔ کھم کے نیچے

بڑے ہال میں عمال سلطنت معہ اپنے عملہ کے اور مدعی مدعا علیہ وغیرہ کے بوقت اجلاس بیٹھا کرتے تھے۔ یورپین صناع اس کھم کی صنعت سنگ تراشی اور خوبصورتی اور اس کے اوپر کے چاروں پل نما جالیدار راستوں اور کھم کے سر کے اوپر شاہی تخت گاہ کی تعمیر کی ندرت کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ مثل چمیلی کے چار پنکھڑیوں والے پھول کے ہے۔ انگریز مورخ اسے "دنیا کے چار سرے" Four Corners of The World لکھتے ہیں

آنکھ مچولی محل جو اصل میں اکبر بادشاہ کا خاص محل ہے یعنی دن کا محل

> آنکھ مچولی محل جو کہ اصل میں اکبر کا دن کا محل یعنی محل خاص ہے

یہ ایک بہت ہی خوبصورت اور سب محلات سے اونچے پائے کا محل ہے۔ کسی محل کی چھتیں اتنی بلندی پر نہیں پائی گئیں ہیں جیسی کہ اس محل کی ہیں۔ یہ محل۔ محلات شاہی کے آخر سرے پر اور شمال پچھم گوشے میں پہاڑ کے کنارہ پر ہے۔ اور یہاں سے سامنے کی جھیل مصنوعی اور نشیب کی فضا کے نظارے نظر افروز ہوتے ہیں یہ محل دیوان خاص کے یعنی کھمبہ کے برابر جانب پچھم ہے فاصلہ کوئی آٹھ قدم کا ہے۔ اس میں ایک بڑا مستطیل کمرہ ہے۔ اور اس کی بغل میں مربع کمرے تینوں جانب ہیں۔ جن کی دیواریں الگ الگ ہیں۔ ہر کمرہ کے باہر ایک ایک تنگ گیلری بنی ہے۔ جو کمروں دیواروں کے بیچ میں ہے۔ جس میں صرف ایک آدمی کے کھڑے ہونے کی گنجائش ہے اس گیلری سے جو ہر کمرہ کے ارد گرد ہے لوگ دھوکا کھا گئے اور ان کے سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ ہر کمرہ کے گرد کمروں کی دیواروں کے بیچ میں تنگ گلی سی کیا بنی ہے ہر کمرہ

دروازے بھی الگ الگ ہیں۔ اسی سے ان لوجھ بجھکڑوں کی سمجھ میں یہ آیا کہ یہاں
اکبر اپنی بیگمات یا مصاحبوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتا تھا۔ اور اس محل کا نام
آنکھ مچولی محل رکھ دیا۔ اور محکمہ آثار قدیمہ کے عقلمندوں نے بھی جہلا کی تقلید میں یہی نام
لکھ کر اس کو مستند کر دیا۔ انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ جیسی گیلریاں ایک آدمی کے کھڑے ہونے
کی گنجائش کی یہاں ہر کمرہ کے گرد ہیں۔ ایسی ہی تو دیوان خاص میں اکھمبہ کے اوپر اکبر
کی تخت گاہ کے اور وزیروں کی نشست گاہ کے اردگرد دکھی ہیں یہ جیسا کہ دیوان خاص اکھمبہ
کے بیان میں بتایا گیا ہے۔ اکبر کے باڈی گارڈ کے سے محافظ دستہ کے لوگوں کے
کھڑے ہونے کے لئے ہیں۔ اکبر کے باڈی گارڈ یا محافظ دستے کے افسران جو
بڑے بڑے امرا راجہ و نواب ہوتے تھے یہاں رات دن ہر وقت ڈیوٹی پہ لگے رہا
کرتے تھے۔ ہر راجہ کی پہرہ کی ڈیوٹی ایک ایک مہینہ کی ہوتی تھی۔ یہ محل اکبر کا خاص
محل یا ڈے پیلس (DAY PALACE) دن کے رہنے کا محل ہے۔ رات کو وہ زنانہ
محلات میں اپنی خواب گاہ والے محل میں رہتا تھا اور دن کو یہاں چنانچہ اس آنکھ مچولی
محل کے برابر ملا ہوا ایک نہانے کا حوض بھی "قد آدم" سے زیادہ گہرا ہے۔ غسل خانہ
اور اس کے پاس کنارے سے بیت الخلاء کا سنڈاس بھی بنا ہے۔ چھت میں سرڈیوں
کے اوپر ہاتھی کے منہ معہ سونڈ کے اور مگرمچھ کے منہ کے اس پر ہے ہاں میں زیبائش کے
لئے بنے ہیں۔ اس محل کے ہر کمرہ میں بڑے بڑے طاق ہیں۔ ان میں پتھر کی صندوقچیاں
بنی ہیں۔ جن میں اکبر کا ذاتی خزانہ پرائیوی پرس رکھی رہتی تھی۔ جب اکبر کوئی سلام
کو حاضر ہوتا تھا۔ مثلاً شعرا وغیرہ آکر قصیدہ خوانی کرتے تھے تو اکبر انہی طاقوں
میں سے اشرفی اور روپیہ وغیرہ مٹھی میں بھر کر دیا کرتا تھا۔ ملا عبدالقادر بدایونی

نے لکھا ہے کہ اکبر نے ایک بار ان کو مٹھی بھر کر رحمۃ الخام میں دی تو مٹھی میں ساڑھے اشرفیاں آئی تھیں۔ مگر افسوس اس محل کے طرز تعمیر اور اس کی پٹاؤ کی بلندی اور خاص خاص باتوں پر کسی نے غور نہیں کیا۔ ورنہ صاف معلوم ہو جاتا کہ سارے محلات میں یہی تو ایک محل ہے جو خود اکبر کا خاص محل ہے جس کو آنکھ مچولی کے غلط اور مضحکہ خیز نام سے موسوم کر دیا گیا ہے بھلا آنکھ مچولی اور دیوان خاص سے بالکل ملحق ہو۔

نشست گاہ رمال یا نجومی جو اصل میں شاہی تخت گاہ ہے

نشست گاہ رمال (نجومی) جو دراصل تخت گاہ شاہی یعنی اکبر کے تاج و تخت رکھنے کی جگہ ہے۔

اسی خاص محل کے باہر برابر ہی صحن میں ایک نہایت خوشنما اور خوش وضع چبوترہ چھوٹا سا ہے اس کے اوپر ایک چھوٹا سا خوشنما برج ہے جس کے چاروں در کھلے ہیں اور برج سے ستونوں تک نہایت عمدہ و نفیس کام کے سرخ نما پتھروں کے چار لہریے دار محراب کے بازو لگے ہوئے ہیں۔ جن کی صفت و صنعت کا اندازہ صرف دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے یہ خاص محل کے دروازے سے ملا ہوا ہے لوجہ جھگڑوں نے آنکھ مچولی نامی محل کے اس برجی کو دیکھ کر قیاس دوڑایا کہ یہ کیا عمارت ہو سکتی ہے تو یہ سمجھ میں آیا کہ یہ رمال یا نجومی یا جوتشی کے بیٹھنے کی جگہ ہے جو اکبر کے لئے رمل پھینک کر نجومی حالات بتاتا تھا۔ معلوم یہ نجومی یا رمال کی اپج ان کے دماغ میں کہاں سے پیدا ہوئی۔ دراصل یہ برجی کا چبوترہ وہ جگہ ہے جہاں اکبر بادشاہ کا تخت و تاج رکھا

رہتا تھا۔ اس کے چاروں طرف زرتار ریشمی پردے پڑے رہتے تھے۔ اکبر کے پاس۔ ایک سونے کا تخت تھا۔ جو شیروں کے سر اور کندھوں پہ بنا تھا۔ جیسا کہ شاہجہان بادشاہ کا تخت طاؤس جواہرات و زمرد کے مور کے اوپر بنا ہوا تھا۔ اس مور کی پھیلی ہوئی دم میں ہیرے جواہر، نیلم، زمرد جڑے تھے۔ یہ اکبر کا تخت خالص سونے کا اور جڑاؤ تھا۔ مگر بجائے مور کے چاروں کونوں پر چار شیر تھے۔ جیسا کہ تاریخوں میں لکھا ہے۔ یہ تخت بھی بہت بیش قیمت تھا۔ سوچنے کی بات یہ تھی کہ ہر بادشاہ کا تخت بھی ہوتا ہے اور تاج بھی جس کے لئے کوئی جگہ ہونی ضرور ہے بادشاہ ضرور تا روزانہ کسی نہ کسی وقت تخت پر جلوہ افروز ہو کر تاج سر پہ رکھتا ہے۔ خاص کر غیر ملکی سفرا وغیرہ اور اندرون ملک کے والیانِ ریاست سلام کو آتے رہتے ہیں۔ لہٰذا جب ایسا موقع ہوتا تھا تو اکبر اپنے خاص محل کے کمرے سے برآمد ہو کر اس جگہ تخت گاہ شاہی میں اپنے تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوتا اور سر پہ تاج شاہی رکھتا تھا۔ اسی تخت گاہ کے عین محاذ میں جانب پچھم ایک چھوٹا سا دروازہ، دیوار میں قدآدم بنا ہے جو تخت گاہ سے قریب ۱۰ قدم ہے اس دروازہ میں سے اندر آکر اس تخت گاہ کے سامنے اکبر کے سلامی دن بہا، سفرا، امرا اور والیان ریاست اور صوبہ دار وغیرہ آکر اکبر کو سلام اور نذرانہ اور آداب و کورنش بجا لاتے تھے۔ اور انعام و اکرام سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ یہی مقام سراپردہ یا سترپا تھا۔ اس چھوٹے سے دروازہ کے باہر میدان ہے وہ پہلے باغ تھا۔ اس جگہ

اکبر کے خاص محل سے ملحق دیوار محلات کے باہر خوبصورت چھوٹے چھوٹے کوارٹر نما چند الگ الگ محلات پہاڑ کے کنارہ پر ہی بنے تھے۔ جن میں آکر یہ مہمان برائے سلامی مقیم ہوتے تھے۔ یہ جگہ محلات کے دوسرے صدر دروازے کی جانب پچھم کی ڈیوڑھی سے ملی ہوئی ہے۔ یہاں بیت الخلا سنڈاس نما متعدد بھی ان کے استعمال کے لئے بنے ہوئے ہیں۔ یہ محلات سب اب گر گرا گئے ہیں۔ مگر آثار جو باقی ہیں ان سے ان محلات کی شان اور شوکت کا پتہ چلتا ہے۔ اب ان محلات کو جو کھنڈر ہو گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اکبر کے محلات کا اسپتال تھا۔ مگر یہ غلط ہے یہ اکبر کے باڈی گارڈ یعنی محافظ دستے والے راجاؤں، نوابوں اور نیز باہر سے آنے والے مہمانوں کے لئے قیام کرنے کے مکانات تھے۔ جو کہ محل خاص سے بالکل ایک دیوار بیچ ملے ہوئے ہیں۔ ان محلاتِ مہمان خانہ کے سامنے باغ کے کنارے پر جانب دکن مشہور پنچ محلا۔ پانچ منزل کا محل ہے جس کا مردانہ درجہ اس طرف کو ہے۔ اور زنانہ درجہ زنانہ محلات اور اکبر کے مردانہ محلات سے ملا ہوا ہے۔ دونوں درجوں سے اوپر کو جانے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔

پنچ محلا

پنچ محلا یہ پانچ منزل کی عمارت موسومہ پنچ محلا ہے جو بیگمات کا ہوا محل بھی تھا۔ اس محل کے پانچ درجے یعنی پانچ منزلیں ہیں۔ ہر منزل ایک ستونوں دار ہال ہے اور اوپر کی ہر منزل نچلی منزل سے چھوٹی ہوتی چلی گئی ہے۔ یہ دیوان خاص اکھمبہ اور محل خاص (موسومہ آنکھ مچولی) سے جنوب پچھم کے گوشہ میں ہے سب

سے نیچے کی منزل ۲۷ × ۵۸ فٹ ہے اور اسمیں (۸۴) چوراسی ستونوں کا ہال ہے دوسری منزل میں پینسٹھ (۶۵) ستونوں کا اور تیسری منزل میں بیس (۲۰) ستونوں اور چوتھی منزل میں بارہ ستونوں کا ہال ہے سب سے اوپر کی آخری منزل میں چار ستونوں شہ نشین ہے جس کا نہایت خوبصورت نوکیلا گنبد چھتری نما ہے۔ ہر منزل پر جانے کے الگ الگ زینے ہیں دوسری منزل پر زنانہ محلات جودہ بائی محل، مریم محل اور خواب گاہ سے آنے کے لئے باپردہ راستہ گیلری نما پٹا ہوا بنا ہے جہاں سے سراپردہ عصمت کی بیگیات یہاں آکر گردونواح اور سامنے کی جھیل کے مناظر کی سیر سے اور ٹھنڈی ٹھنڈی تیز ہوا سے فرحت اندوز ہوتی تھیں۔ ہر منزل میں جتنے ستون ہیں سب سر سے پاؤں تک نقش و نگار۔ بیل بوٹے وغیرہ سے سنگ تراشی کر کے مزین کئے ہوئے ہیں۔ ہر ستون کے نقش و نگار دوسرے ستون کے سے بالکل مختلف ہیں یہ ستون دوہرے یعنی ڈبل ہیں خاص کر سب سے نیچے والی منزل کے دوہرے دوہرے چوراسی ستون پر جو منبت کاری (نقش و نگار کی کھدائی) کی گئی ہے وہ عجیب ہے۔ کسی میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ایک شخص درخت پر سے پھل توڑ رہا ہے۔ کسی میں دو ہاتھی ایک دوسرے سونڈوں میں بل دیئے کھڑے ہیں۔ کسی میں درختوں میں مختلف قسم کے پرندے چھپے ہوئے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ ان ستونوں پر جو اتنے سارے ہر منزل میں بنے ہوئے ہیں اوپر کی چھت قائم ہے۔ ان سب منزلوں کے کمروں کا پٹاؤ بہت زیادہ اونچا نہیں ہے۔ یہ منزلیں رقص و سرود وغیرہ محفلیں جمانے یا سونے بیٹھنے کے کام میں آتی ہوں گی۔

راقم الحروف کی موجودگی میں ایک یورپین سیاح جو خاص علمی مذاق رکھنے والا اہل فن میں سے تھا۔ ان ستونوں کو بڑے غور سے دیکھنے کے بعد بہت متاثر ہوا اور مجھ سے کہنے لگا کہ یہ کالم پتھر کے نہیں بلکہ اشعار کے کالم ہیں۔ These columns are columns of a poetry کالم۔ انگریزی میں ستونوں کو بھی کہتے ہیں (column) اور شعر کے مصرعہ کو بھی۔ یعنی اس کو یہ مختلف قسم اشعار کے مصرعے معلوم ہوئے۔ اس سے زیادہ تعریف ان کھمبوں کی اور کیا ہو سکتی ہے۔ نیچے کی منزل اور اس کے اوپر کی دوسری منزل مردانہ استعمال کی معلوم ہوتی ہے۔ مگر تیسری اور چوتھی منزل بلاشبہ بیگمات کے استعمال کے لئے تھی ہر منزل کے چوطرفہ جالیوں دار دیواریں تھیں۔ یعنی پتھر کی سلوں میں ترشی ہوئی جالیاں لگائی گئی تھیں جن سے ہوا بھی آتی تھی اور پردہ اور مکھی مچھر وغیرہ کی حفاظت بھی ہوتی تھی۔ انگریز انجنیئر کہتے ہیں کہ یہ پنچ محلا بدھوں کی مذہبی عمارتوں کے قدیم طرز پر ہے۔ یہ اس قدر بلند عمارت ہے کہ میلوں دور سے نظر آتی ہے۔ اور سب محلات کی عمارتوں پر حکمرانی کرتی ہے گویا پہاڑ کی چوٹی پر ایک اور پہاڑ کھڑا ہے مگر بلند دروازے سے اس کی بلندی بہت کم ہے

نگینہ محل یا ترکی سلطانہ کا محل

نگینہ محل یہ محل جو بوجہ اپنے نقش و نگار اور منبت کاری کے کہ اس کے در و دیوار اور چھت میں بیلیں۔ پھول پتیاں تراش کر ان میں رنگ برنگ کے نگ جڑے ہوئے تھے۔ نگینہ محل کہلاتا ہے۔ اس محل کا ایک ہال

سالم رہ گیا ہے جسمیں علاوہ پھول پتیوں کے مختلف مناظر کی تصاویر۔ اور درختوں پہ پرندے، لنگور، شیر۔ ہاتھی وغیرہ کی تصویریں بھی کندہ کی گئی ہیں۔ ان جانوروں کے منہ اب موجود نہیں ہیں۔ تراش ڈالے گئے ہیں۔ مشہور ہے کہ عالمگیر بادشاہ نے ایک مسلمان کے گھر میں جاندار تصویروں کو ممنوع قرار دیکر ان کے منہ ترشوا دیئے تھے۔ مگر غیر مسلم بیگمات کے محلات میں خاصکر مریم کے سنہری محل میں تصاویر ابتک موجود ہیں۔ اس محل کو انگریزی سیاح "بلش قیمت گوہر" precious jewel لکھتے ہیں۔ اس محل کے آس پاس کے محلات کے۔ جو شکست ہو گئے۔ آثار باقی ہیں جن میں سے سب سے آخری عمارت جو پنچ محلہ سے متصل ہے دو منزلہ ہے۔ مدرسہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس محل کے پاس سے ایک دیوار بطور حد فاصل کھچی ہوئی تھی۔ جو پنچ محلہ تک تھی جس کے دوسری طرف شمال میں مردانہ محلات کا صحن ہے جہاں چوسر کا فرش ہے اور اس کے شمال میں دیوان خاص تختگاہ کی برجی۔ اور محل خاص ہیں۔ نگینہ محل سے جانب پورب شاہی حمام ہیں جن کے کئی درجے ہیں۔ کچھ حمام زنانے بیگمات کے ہیں کچھ بادشاہ کے لئے۔ یہ حمام اسقدر اندر سے زیب و زینت والے ہیں کہ قابل دید ہیں۔ فرسکو کے نقش و نگار در و دیوار اور چھتوں میں بنے ہیں۔ حماموں میں حوض ہیں۔ فوارے ہیں گرم حمام الگ اور سرد حمام الگ۔ کپڑے اتارنے کپڑے بدلنے اور بعد غسل آرام وغیرہ کرنے کے ہال بنے ہوئے ہیں۔ یہ ترکی حمام Turkish Bath کہلائے جاتے ہیں اسی محل کے آگے آنکھ کا ایک پائیں باغ تھا جس میں حوض اور فوارے تھے جن کے اب بھی

آثار باقی ہیں۔ یہاں سے زینہ اوپر چڑھ کر کمرہ شاہ نشین جالی دار دو درجہ کا
بنا ہے جس بادشاہ اور بیگمات بیٹھکر نیچے سامنے کے میدان میں جو دیوان عام
کہلاتا ہے۔ عدالتی اجلاس۔ اور سیر و تماشے وغیرہ کی تفریح کیا کرتے تھے۔ ایک
زینہ زنانہ الگ ہے جو اس شاہ نشین کمرے کو اور اس کے اوپر کی پردہ دار چھت
پر جاتا ہے، جہاں خواتین حرم کے دیوان عام کو دیکھنے کے لئے نشستگاہ بنی ہے

دیوان عام یہ دیوان عام ایک بہت وسیع میدان ہے جس کے چاروں طرف
اونچے چبوتروں پر دالان اونچے اونچے برابر برابر بنے ہوئے ہیں۔ اور اوتر کے
گوشے سے راستہ اکبر کے خاص حمام اور انوپ تالاو کو۔

چار ایوان یا عبادت خانہ اور چار ایوان یا عبادت خانہ کو جاتا ہے۔ جس کے اب کھنڈر رہ گئے ہیں۔
یہ چار ایوان یا عبادت خانہ المعروف دیوان خاص کی طرز کی عمارت تھا۔
جس کی چھت پر شاہ نشین میں بادشاہ بیٹھتا تھا۔ اور دائیں بائیں وزراء اور۔ اس
کے نشیبی حصہ میں مختلف مذاہب کے پیشوا بیٹھکر مذہبی مناظرے کیا کرتے تھے
اس عبادت خانہ کے خاص خاص ستون جو بلحاظ صنعت کندہ کاری بے نظیر تھے
الہ آباد کے میوزیم (عجائب گھر) میں گورنمنٹ انگریزی نے یہاں سے اٹھوا کر
بھجوا دیئے وہاں محفوظ ہیں۔ یہ عبادت خانہ بھی ایک بڑے وسیع مربع احاطہ
میں تھا۔ اس کے جانب پورب۔ ایک عمارت چھوٹی سی اور تھی جو جوتش خانہ
یا رصدگاہ تھا جس کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ مگر عام دیکھنے والے

رصدگاہ یا جوتش گھر اس کو نہیں سمجھتے کہ یہ کس چیز کے آثار ہیں مثلاً ایک بہت اونچا
اور لانبا چوڑا چوطھا سا بنا ہوا ہے جو دیکھنے سے عام نگاہ میں

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی بہت بڑی دیگ کا کھانا پکانے کا چولھا ہوگا۔
مگر اس کے دونوں بازو ڈھلوان ہیں۔ بیچ میں خلا ہے۔ ڈھلوان بازو پر دیگ
کیسے ٹھہر سکتی ہے۔ لڑھک جائے گی۔ چولھا ایسا نہیں ہوا کرتا دوسرے
چولھا یوں بھی نہیں مانا جا سکتا کہ اس کے اندر یا آس پاس کوئی علامت ایسی
نہیں پائی جاتی کہ یہاں کبھی آگ یا کوئلہ سلگھا ہو۔ صاف شفاف ہیں۔ ڈیڑ ڈیڑ
گز لانبے اور نصف گز اونچے۔ نصف گز چوڑے ایسے کئی بنے ہوئے ہیں
اور اس حال میں اور بھی چیزیں رصد کی بنی تھیں جو شکستہ ہوگئی ہیں۔ چونکہ اس
قسم کی چیزیں ریاست جے پور راجپوتانہ کی رصدگاہ میں دیکھنے میں آتی ہیں لہٰذا
یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ رصدگاہ ہوگی گو مقابلتہً بہت چھوٹی سی ہے۔ قریب
میں اسی جگہ صدر دروازہ چار ایوان یا عبادت خانہ میں آنے کا تھا۔ اس دروازہ
کے باہر ایک چھوٹی سی گھوڑوں کے باندھنے کی بھی جگہ ہے جس میں قریب نصف
درجن کھونٹے پتھر کے بنے ہوئے گڑے ہوئے ہیں جن سے قیاس ہوتا ہے
کہ عبادت خانہ کی مجلس مناظرہ میں آنے والوں کی سواری کے گھوڑے باندھنے
کی جگہ ہے۔ اس کے آگے ہی آتش ہے یعنی شاہی اصطبل جس میں گھوڑے

طویلہ شاہی یا ٹکسال

اور ہاتھی۔ اکبر کے خاصہ یعنی خاص سواری کے بندھتے تھے۔
بہت بڑا احاطہ ہے جس کے اوپر چاروں طرف قبے ہیں۔ خود
عمارت بتلاتی ہے کہ یہ شاہی طویلہ ہے۔ مگر یہ ٹکسال کے نام سے مشہور ہے۔
اس طرف اور بھی بہت سے محلات ہیں۔ جو خزانہ۔ دفتر خانہ وغیرہ کے ناموں
سے مشہور ہیں۔ یہاں ہی حکیموں کے حمام۔ تالاب وغیرہ بہت سی قابل دید

اور محیر العقول عمارات ہیں ان حماموں کی چھت پر ایک بڑا تالاب بنا ہے جسمیں
اب بھی پانی بھرا رہتا ہے جہاں سے نیچے حماموں میں پانی پہونچتا تھا - اور
پہاڑی کے نیچے ایک حکیموں کا کنواں ہے جسکا پانی نہایت شیریں اور ہاضم
ہے - بخلاف فتحپور کے اور کنوؤں کے کہ انکا پانی شیریں نہیں ہے - یہ کنواں
اب تک جاری ہے - شاہی محلات میں اسی کا پانی استعمال ہوتا تھا - خاص
حکمت سے بنایا گیا تھا ۔

پنچ محلہ کے نیچے جو دروازہ محلات شاہی میں آنے کا ہے اس دروازہ کے
نیچے محلات کی فصیل کی دیوار ہے اس فصیل میں ایک بہت بڑا دروازہ ہے جس
کے باہر کی طرف دو بڑے بڑے سنگ سرخ کے ہاتھی بنے ہوئے آمنے سامنے
کھڑے ہیں - اسی دروازہ میں ہو کر محلات کے دروازے تک پہونچتے تھے -

ہتیا پول دروازہ

اس دروازہ کو ہتیا پول کہتے ہیں یہاں قریب ہی پہاڑ کی بلندی پر بھی بہت
سے محلات نہایت خوبصورت بنے ہوئے ہیں جنکی بابت کچھ علم نہیں
ہو سکا کہ یہ کیا تھے - البتہ ایک بڑا بلند برج اور اس کے نیچے بڑا ہال ہے
جو اسلحہ خانہ کہا جاتا ہے - اسی ہتیا پول دروازہ کے اوپر ہی شاہی واٹر ورکس ہیں

واٹر ورکس کاروان سرائے اور ہرن منارا یا حرم منارا

جہاں پہاڑ کے نیچے سے باولیوں (بڑے بڑے کنوؤں) سے پرشین
وھیل یعنی چرخ کے ذریعہ سے پانی کھینچ کر منزل بمنزل اوپر جمع ہوتا
تھا - اور سطح محلات تک پہونچتا تھا - یہ واٹر ورکس (حوض آب رسانی)
قابل دید ہیں - ہتیا پول کے نیچے گھاٹی پہاڑی کی اوتر کر ہرن منار
یا حرم منار جسکو ہاتھی منار بھی کہتے ہیں واقع ہے - اور گھاٹی سے ملی ہوئی ایک بہت

بڑی عالیشان کاروان سرائے ہے جسمیں عمدہ عمدہ مکانات بنے ہوئے ہیں
جن میں تجار وغیرہ جو دربار اکبری میں آتے تھے مقیم ہوا کرتے تھے۔ ہرن منار
کے آس پاس باغات تھے اور اس کے سامنے حوض خاص کی جھیل تھی۔ جسکا
اوپر تذکرہ کیا جاچکا ہے۔ یہاں سے کچھ فاصلہ پر پہاڑ کے دامن میں جانب پچھم
دیگر شاہی طویلے اور اصطبل برائے۔ ہاتھی۔ اونٹ اور گھوڑوں کے تھے۔
جن کے آثار موجود ہیں۔ اس ہاتھی منار کا ذکر جودھ بائی کے محل کے تذکرہ میں آچکا ہے۔

سموسہ محل یا شاہی قید خانہ محلات شاہی سے بالکل الگ اور باہر کو پہاڑ کی چوٹی کے جانب شمال آخر میں یہ ایک مکان بنا ہوا ہے جسکو سموسہ محل
لوگ اس وجہ سے کہنے لگے کہ اس عمارت کی شکل سموسہ کی سی ہے یعنی یہہ
مکان تکونیہ ہے۔ عجب بے ڈھنگا مکان ہے جسکی تینوں طرف کی دیواریں
بہت بلند ہیں۔ اندر کوئی خاص عمارت نہیں ہے دروازہ شکستہ ہوچکا ہے
اب اس دروازہ کی جگہ لوہے کا جنگلا لگا دیا گیا ہے دروازہ سے اندر آکر دو
دالان ہیں اور اسی طرح کے دالان جانب دکھن ہیں۔ صحن بہت چھوٹا۔ خام
ہے۔ کہیں نہ کھڑکی ہے۔ نہ کوئی روشندان۔ نہ کوئی بالائی کمرہ وغیرہ چھت پر
ہے عمارت خود منہ سے بول رہی ہے کہ محل وحل کچھ نہیں ہے۔ بلکہ صاف قید خانہ
معلوم ہوتا ہے۔ دربار اکبری یا محلات کے مجرم یا معتوب اشخاص اس مکان
میں نظر بند یا قید کیے جاتے تھے چنانچہ تاریخوں میں لکھا ہے کہ ملا عبد النبی صدر الصدور
جب اکبر ناراض ہوا۔ تو اس کو قید میں ڈالدیا گیا تھا۔ اور ابو الفضل کو ان کے خلاف
تحقیقات پر مامور کیا تھا۔ جسکا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

اکبر کا عبادت خانہ تاریخوں میں عبادت خانہ کی عمارت کا اکثر ذکر آیا ہے - اور چار ایوان کا - اگر یہ دونوں نام ایک ہی عمارت کے تھے تو یہ عمارت جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں دیوان عام کے جانب شمال پشت پر انوپ تلاؤ اور حمام خاص کے برابر تھی - یہی جگہ مسٹر اسمتھ نے اپنی کتاب "مغل آرکیٹیکچر آف فتحپور سیکری" میں لکھی ہے - اگر عبادت خانہ دوسری جگہ تھی - جہاں اکبر کے دین الہٰی کے لوازم و مراسم بجا لائے جاتے تھے تو اس عبادت خانہ کا مقام جامع مسجد کے بادشاہی دروازہ سے قریب - محلات کو جاتے ہوئے - جودہ بائی کے محل کی پشت پر اور ابوالفضل کے مکان کے بالمقابل تھا جس کے آثار وہاں پائے جاتے ہیں - یہاں عمارت کے کھنڈروں میں ایک بہت بلند بڑا چبوترہ موجود ہے جس کے اوپر بھی چبوترہ تھا - اور اس پر کوئی مکان تھا - اردگرد کی عمارتوں کے کھنڈر میں ایک شکستہ دالان کا حصہ نظر آتا ہے - جسپر اللہ لکھا ہے - اور قریب ہی ایک چھوٹی سی مسجد شکستہ کے بھی آثار ہیں - اب یہاں زمانۂ قریب میں قبرستان بنا دیا گیا جسمیں خاندان حضرت حاجی حسین رح کی مستورات کی قبریں بیشتر ہیں - مسجد جو کھنڈر ہو گئی اسکی مرمت کبھی نہیں کرائی گئی - جسکی وجہ اکبری عبادت خانہ سے منسوب ہونے کی ہو سکتی ہے - تاریخوں میں لکھا ہے کہ عبادت خانہ شیخ نیازی مرید حضرت شیخ سلیم چشتی رح کی خانقاہ کے متصل بنایا گیا تھا - اسلئے غالباً یہی جگہ عبادت خانہ کی تھی - اور چار ایوان یعنی دارالمناظرہ - جہاں مختلف مذاہب کے لوگ اکبر کے روبرو اپنے اپنے مذاہب کی تلقین اور مباحثے کیا کرتے تھے - وہ دوسری عمارت تھی جسکا ذکر پہلے ہی کیا جا چکا ہے ٭

ختم شد

معارج روحانی

حیات حضرت شیخ سلیم چشتی رح
و
حالات فتحپور سیکری - آگرہ

مرتبہ

سراج احمد عثمانی چشتی - کراچی

طبع اول ایکہزار　　　　قیمت ۲-۵۰

مطبوعہ عباسی لیتھو آرٹ پریس کراچی - ۲

۱۹۶۳ء